رجسٹرڈ نمبر ایل 7360

جنوری ۱۹۶۱ء　　　　عدد ۱

ماہنامہ

میثاق

لاہور

★

زیرِ ادارت

امین احسن اصلاحی

دفتر رسالہ میثاق

رحمانپورہ اچھرہ - لاہور (پاکستان)

قیمت فی پرچہ : ساٹھ پیسے　　　　سالانہ : چھ روپے (بارہ شلنگ)

Monthly MEESAAQ Lahore

ماہنامہ

میثاق

لاہور

جلد ۴ | بابت ماہ جنوری ۱۹۶۱ء مطابق رجب المرجب ۱۳۸۰ھ | عدد ۱

فہرست مضامین

تذکرہ و تبصرہ — امین احسن اصلاحی — ۲

تدبر قرآن

تفسیر سورہ بقرہ — " — ۹

مطالعہ حدیث

تدوین سنت — مولانا عبدالغفار حسن صاحب — ۱۷

اجتماعیات و سیاسیات

اسلام کا شورائی نظام — مولانا سید جلال الدین صاحب انصر عمری — ۲۵

سفر حج

جدہ میں — امین احسن اصلاحی — ۴۱

مراسلہ و مذاکرہ

خانہ ساز جھوٹ — "قتل انبیاء" — " — ۴۷

تقریظ و تنقید — (غ - م) — ۵۱

ہندوستانی خریداروں کیلئے ترسیل زر کا پتہ
دفتر الفرقان کچہری روڈ لکھنؤ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تذکرہ و تبصرہ

دسمبر کے میثاق میں ہم نے حضرات علمائے کرام سے ایک اپیل کی ہے۔ ان صفحات میں جب ہم علماء یا مذہبی طبقہ کا ذکر کرتے ہیں تو ہمارے پیش نظر نہ تو کوئی متعین شخص یا اشخاص ہوتے ہیں اور نہ کوئی مخصوص جماعت ہوتی ہے بلکہ ہم اپنے ملک کے پورے مذہبی طبقہ کو مخاطب کرتے ہیں اس وجہ سے ہمارے خطاب کو عام خطاب ہی کے مفہوم میں لینا چاہیے۔ اس کو کسی خاص مفہوم میں لے کر بلا وجہ کسی کو نہ تو اپنے بارے میں خوش گمانی میں مبتلا ہونا چاہیے اور نہ بدگمانی میں۔ اس خطاب کے متعلق یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ اس سے ہرگز ہرگز ہمارا مقصود کسی کی تحقیر و تذلیل نہیں ہوتا ہے بلکہ لوگوں کو صحیح کام اور اس کام کے صحیح طریقہ کی طرف متوجہ کرنا ہوتا ہے۔

ہمارے نزدیک ہماری قوم، علماء کے بگڑنے ہی سے بگڑی ہے اور علماء ہی کے درست ہونے سے یہ درست ہوگی۔ اس کو ہمارے ملک کا کوئی دوسرا طبقہ درست نہیں کر سکتا۔ دوسروں کی کوشش سے زیادہ سے زیادہ جو کچھ ہو سکے گا وہ یہ ہے کہ اس ملک میں پانی اور بجلی کا انتظام وسیع پیمانہ پر ہو جائے گا، اس کی پیداوار میں اضافہ ہو جائے گا، اس کی بڑھتی ہوئی آبادی گھٹ جائے گی، اس کا معیار زندگی اونچا ہو جائے گا، جدید تمدن و ترقی کے تمام لوازم یہاں فراہم ہو جائیں گے۔ ہر چند ان چیزوں میں سے بھی بہت سی چیزیں مطلوب ہیں اور جو لوگ ان کے مہیا کرنے میں سرگرم ہیں ہم ان کی

کوششوں کی قدر کرتے ہیں لیکن ہم پوری صفائی کے ساتھ یہ بات کہتے ہیں کہ ہم اپنی قوم کے مسائل پر صرف پاکستانی قوم کے نقطۂ نظر سے غور نہیں کرتے بلکہ اس کے سارے مسائل پر اس کے امت مسلمہ ہونے کے پہلو سے غور کرتے ہیں۔ اگر ہمارے سامنے صرف پاکستانی قوم کا مسئلہ ہوتا تو ہم بے تکلف یہ بات کہتے ہیں کہ اس وقت جو لوگ اس قوم کے ناخدا ہیں وہ پچھلے تمام ناخداؤں سے ہمارے نزدیک بہتر اور قابل اعتماد ہیں لیکن ہم یہ ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں کہ ترقی اور رفاہیت کی موجودہ سرگرمیوں سے اس قوم کو وہ نصب العین بھی مل جائے گا جو بحیثیت امت مسلمہ کے اس کے سامنے ہونا چاہیے۔

اس نصب العین کا اس قوم کے سامنے ہونا اور نہ ہونا ہمارے نزدیک یکساں نہیں ہے۔ ہمارے نزدیک پاکستان اور پاکستان میں بسنے والی قوم کی جو کچھ قدر و قیمت ہے اسی نصب العین کے ساتھ ہے۔ اگر یہ نصب العین باقی نہ رہے تو اس قوم کی ساری ترقیاں ہمارے نزدیک بالکل بے معنی ہوں گی۔ اس وجہ سے سب سے زیادہ دیدہ ریزی اور ہوشمندی کے ساتھ دیکھنے کی چیز یہ ہے کہ ہمارے ملک میں جو ترقیاں ہو رہی ہیں وہ اس نصب العین کے تحت ہو رہی ہیں یا اس سے الگ ہو کر ہو رہی ہیں۔ یہ دیکھنا ہمارے علماء کا کام ہے۔ وہی ہیں جو اس نصب العین کو بھی سمجھتے ہیں اور وہی اس کے تقاضوں اور مطالبات کو بھی جانتے ہیں اور وارث انبیاء ہونے کے پہلو سے انہی پر خدا اور رسولؐ کی طرف سے یہ ذمہ داری بھی عائد ہوتی ہے کہ وہ اس کو دیکھیں اور اس کے کسی مرحلہ میں بھی اگر کوئی فساد رونما ہو تو اس کے درست کرنے کے لیے اپنے امکان کے اندر کسی سعی سے بھی دریغ نہ کریں۔

اس سعی کے لیے ہمارا نقطۂ نظر جس کا ہم نے ان صفحات میں بار بار اظہار کیا ہے، یہ ہے کہ یہ سو فیصدی حضرات انبیاء علیہم السلام کے طریقہ پر ہونی چاہیے۔ اس کی پہلی وجہ تو یہ ہے کہ یہی طریقہ ہمارے علماء کے شایانِ شان ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ یہی طریقہ بابرکت اور نتیجہ خیز ہے اور تیسری وجہ یہ ہے کہ یہی طریقہ ہے جس کو ہر دور اور ہر طرح کے حالات میں اختیار کیا جا سکتا ہے۔ ہم جب یہ کہتے ہیں کہ علماء کو اہل سیاست کے طریقوں سے احتراز کرنا چاہیے تو اس کے معنی یہ نہیں ہوتے کہ فی نفسہٖ سیاست کوئی حرام چیز ہے جس سے اہل دین کے لیے احتراز واجب ہے۔ جو لوگ

ہماری بات کا یہ مطلب لیتے ہیں ان کے اپنے دماغ میں ٹیڑھ ہے جس کے سبب سے وہ ہماری سیدھی بات کو بھی ٹیڑھی بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ سیاست تو انسان کے وجود کا لازمی تقاضا ہے۔ جو انسان معاشرہ کے اندر زندگی بسر کرتا ہے، اس کے لیے واجب ہے کہ وہ معاشرہ کے تقاضے پورے کرے اور جو ان تقاضوں کو پورا کرتا ہے وہ ایک سیاسی انسان ہے لیکن معاشرہ کے ان تقاضوں کو پورا کرنے کا ایک طریقہ تو وہ ہے جو حضرات انبیاء علیہم السلام نے سکھایا ہے اور اس کا ایک ڈھنگ وہ ہے جو موجودہ زمانہ کے سیاسی پیشہ وروں نے نکالا ہے۔ پہلا طریقہ رحمانی ہے اور دوسرا شیطانی۔ ہم علماء کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ پہلا طریقہ اختیار کریں اور اسی طریقہ پر اپنے معاشرہ کی ذمہ داریاں ادا کریں۔ ہماری یہ دعوت پیغمبرانہ طریقہ اختیار کرنے کی دعوت ہے، احمق ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ یہ ترک دنیا اور رہبانیت کی دعوت ہے۔

اس وقت ہمارے علماء دو گروہوں میں بٹ گئے ہیں۔ ایک گروہ، جو سیاسی و اجتماعی سرگرمیوں میں حصہ لیتا رہا ہے، دستور کے معطل ہو جانے کے بعد سے خود بالکل وجود معطل بن کے رہ گیا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا اس پر دین و شریعت اور اصلاح و ارشادات کی تمام ذمہ داریاں اللہ اور قرآن نے نہیں عائد کی تھیں بلکہ صرف دستور نے عائد کی تھیں جو دستور کے ساقط ہو جانے سے آپ سے آپ ساقط ہو گئیں۔ دوسرا گروہ، جو پہلے بھی بیشتر لاطائل مباحث ہی میں اپنا وقت ضائع کرتا رہا ہے، اس خلا کو غنیمت پا کر اور زیادہ اپنے لاطائل مناظرات و مجادلات میں منہمک ہو گیا ہے اور اپنے ساتھ دوسرے بہت سے ایسے لوگوں کو بھی بہا لے گیا ہے جو کچھ نہ کچھ قوم و مذہب کی مفید خدمت انجام دے سکتے تھے۔ یہ صورت حال یوں تو ہر زمانہ میں افسوسناک ہوتی لیکن ایک ایسے زمانہ میں جبکہ مخالف مذہب طاقتیں علماء کے ان مشاغل ہی کو مذہب کے خلاف سب سے بڑی دلیل کے طور پر پیش کرتی ہیں یہ چیز اس قدر افسوسناک ہے کہ اس سے زیادہ افسوسناک چیز کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

ہمارے علماء اس حقیقت سے بے خبر نہیں ہو سکتے کہ اس وقت ہماری قوم کی ہر چیز ایک نئے سانچے میں ڈھل رہی ہے۔ اس ملک کے دستور کے لیے سفارشات مرتب ہو رہی ہیں جن پر بالآخر ہمارا

قوم کا اجتماعی و سیاسی نظام تعمیر ہوگا۔ یہاں اسلامی ریسرچ کا ادارہ قائم ہو چکا ہے جو اسلامی احکام و قوانین کی مطابق زمانہ تعبیریں پیش کرے گا۔ ایک نئی تعلیمی اسکیم سامنے آ چکی ہے جس کے تحت ہمارے تعلیمی اداروں کو ہماری آنے والی نسلوں کی تربیت کرنا ہے۔ اوقاف اور مساجد سے متعلق ایک جدید پالیسی زیر عمل ہے جو نہایت دور رس نتائج کی حامل ہو سکتی ہے۔ بعض نئے سوشل نظریات بروئے کار آ رہے ہیں جن کا ہر شخص کی زندگی پر اثر پڑنے والا ہے۔ یہ اور اس طرح کے بہت سے مسائل ہیں جو یکے سب ہماری انفرادی و اجتماعی زندگی سے گہرا تعلق رکھنے والے بھی ہیں اور ہماری قومی زندگی کی تعمیر و تکمیل فی الواقع ان کی محتاج بھی ہے۔ اگر علماء ان مسائل سے بالکل بے تعلق ہو کر صرف سابق دستور کے ماتم میں سوگوار رہیں یا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی برزخی زندگی کی حقیقت و نوعیت پر مباحثے اور مناظرے میں لگے رہیں تو یہ مسائل ان کی فراغت کا انتظار نہیں کریں گے بلکہ کام کرنے والے جس شکل میں مناسب سمجھیں گے ان کو طے کر دیں گے۔ حالانکہ آج اگر ہمارے علماء ان مسائل کی طرف متوجہ ہوں، ان پر اسلامی نقطہ نظر سے غور کر کے ان کے خیر و شر میں امتیاز قائم کر دیں اور کام کرنے والوں کو دل سوزی اور خیرخواہی کے ساتھ اپنے مشورے پہنچا دیں تو اول تو ہمیں توقع ہے کہ ان کے مشوروں سے لوگ فائدہ اٹھائیں گے، لیکن بالفرض لوگ ان سے فائدہ نہ بھی اٹھائیں تو یہ کیا کم فائدہ ہے کہ علماء اپنی ذمہ داری سے عند اللہ و عند الناس بری ہو جائیں گے۔

اسی طرح اس وقت جدید فکر و فلسفہ کی تعلیم پائے ہوئے لوگوں نے اسلام کے نہ صرف بہت سے مسائل کو بلکہ حدیث، فقہ اور تاریخ کے سارے ذخیرے ہی کو اپنے اعتراضات کا ہدف بنا لیا ہے۔ یہ گروہ بڑی تنظیم اور بڑے جوش و خروش کے ساتھ کام کر رہا ہے اور چونکہ زمانہ اور حالات زمانہ بھی ان کا ساتھ دے رہے ہیں اس وجہ سے یہ ایک حقیقت ہے کہ اس گروہ کی فتنہ انگیزیوں سے ہمارے نئے تعلیم یافتہ طبقہ کا ایک بہت بڑا حصہ اسلام کے خلاف شدید قسم کی بدگمانیوں میں مبتلا ہو چکا ہے۔ اس گروہ کے فتنوں سے خلق خدا کو بچانا اور اس کی چلائی ہوئی تحریک ارتداد سے لوگوں کو محفوظ رکھنا علماء ہی کی ذمہ داری ہے۔ اس کام کے لیے آسمان سے فرشتے نہیں اتریں گے۔ لیکن یہ ہماری سخت بدقسمتی ہے کہ اس فتنہ کے مقابلہ کے لیے نہ ہمارے علماء خود تیار ہیں اور نہ اپنی آئندہ نسلوں ہی کو اس کے مقابلہ

کے لیے تیار کر رہے ہیں۔ اگر انھوں نے یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ یہ بازی ہاری جا چکی ہے، تب تو انھیں وہ چٹائیاں بھی لپیٹ دینی چاہئیں جو انھوں نے بعض مسجدوں اور مدرسوں میں بچھا رکھی ہیں اس لیے کہ اب جو آندھی اٹھنے والی ہے اس میں ان چٹائیوں کی بھی خیر نہیں ہے لیکن اگر ان فتنوں کا مقابلہ کرنا ہے تو علماءؒ کو چاہیے کہ اپنے فروعی جھگڑوں کو چھوڑ کر اپنی متحدہ طاقت سے دو چیزوں کا انتظام کریں۔ اوّل تو ایک ایسے تصنیفی ادارہ کا انتظام جو ان تمام مسائل پر تحقیقی لٹریچر کی تیاری اور اشاعت کا اہتمام کرے جو جدید فکر و فلسفہ اور اسلام کے تصادم سے اٹھ کھڑے ہوئے ہیں تاکہ اس زہر کا تریاق فراہم ہو سکے جس سے ہمارے نئے تعلیم یافتہ طبقہ کا ذہن مسموم ہو چکا ہے۔ دوسرے ایک ایسے تربیتی ادارہ کا اہتمام جو ہماری نئی نسل کو حالات زمانہ کے مطابق تربیت دے کر اسلام کی خدمت اور اٹھنے والے فتنوں کے مقابلہ کے لیے تیار کر سکے۔

اسی طرح اس وقت ہمارا معاشرہ بحیثیت مجموعی ایک شدید بحرانی دور سے گذر رہا ہے۔ قدیم قدریں بڑی تیزی سے مٹتی جا رہی ہیں اور جدید قدریں بڑی سرعت کے ساتھ ان کی جگہیں لیتی جا رہی ہیں۔ یہ عمل اتنی تیزی کے ساتھ ہو رہا ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ اس قوم کا کوئی اپنا ماضی سرے سے رہا ہی نہیں ہے۔ جس طرح ایک ایسی قوم جس کی اپنی کوئی تاریخ نہ ہو بغیر کسی مزاحمت کے کسی غالب تہذیب کے رنگ میں راتوں رات رنگ جاتی ہے اسی طرح ہماری قوم شام کو کچھ اور صبح اٹھ کر دیکھیے تو کچھ نظر آئے گی۔ اگر اس تبدیلی کی یہی رفتار کچھ دنوں باقی رہی تو بھی اس امر میں ذرا شبہ نہیں ہے کہ یہ اپنے ماضی سے اس طرح کٹ جائے گی کہ کل اس کے سامنے اگر آپ اس کے ماضی کا حوالہ دیں گے تو اس کو سن کر وہ شرمندگی اور خجالت محسوس کرے گی۔ جب ہماری مسجدوں کے اماموں کے تغیر ذہنی کا یہ حال ہے کہ وہ بھری مجلسوں میں تاریخ و سیرت کی ساری کتابوں کے سوخت کرنے کے مشورے دیتے ہوئے نہیں جھجکتے تو تا بہ دیگراں چہ رسد ابھی تو غنیمت ہے کہ یہ لوگ قرآن کا نام عزت سے لیتے ہیں۔ کیا ہمارے علماء کے جاگنے کا وقت اس وقت آئے گا جب یہ بیباک لوگ نعوذ باللہ قرآن پاک کو بھی گالیاں دینی شروع کر دیں گے۔

ہمارے معاشرے کی یہ حالت ہم سے تقاضا کر رہی ہے کہ ہم میں سے جس کے اندر بھی ایمان کی کچھ حرارت

اور دین کی کچھ غیرت ہو وہ اپنی ساری دلچسپیوں سے کنارہ کش ہو کر معاشرہ کی اصلاح کے لیے اٹھ کھڑا ہو۔ یہ وقت دیوبندیت، بریلویت اور اہل حدیثیت کے تحفظ کا نہیں ہے بلکہ اس وقت نفس اسلام کے تحفظ کا سوال درپیش ہے۔ جب اس قوم کو اسلام اور اسلامی تہذیب ہی سے کوئی دلچسپی باقی نہیں رہ جائے گی تو دیوبندیت اور بریلویت کے ساتھ اس کا کون سا رشتہ ہے جس کا وہ احترام باقی رکھے گی۔ اس وجہ سے اس معاشرہ کی اسلامی زندگی کے ذمہ دار ہونے کے پہلو سے ہمارے علماء پر یہ واجب ہے کہ وہ متحد و منظم ہو کر اس بات کے لیے کوشش کریں کہ اس قوم کے اندر اپنے ماضی کے احترام کا جذبہ بیدار ہو اور وہ جو ترقی بھی کرے امت مسلمہ کی حیثیت سے کرے۔ امریکی اور انگریزی قوم کی نقالی کر کے نہ کرے۔

ہماری قطعی رائے یہ ہے کہ یہ سارے کام علماء کو کسی سیاسی طرز کی تنظیم اور بغیر کسی سیاسی نوعیت کے مطالبہ کے پیغمبرانہ طریق پر کرنے چاہئیں۔ ان کے اندر حصول اقتدار اور طلب عز و جاہ کا کوئی شائبہ نہ ہو بلکہ اس راہ میں ان کا ہر قدم للہ و فی اللہ اٹھنا چاہیے۔ ان کی تقریروں میں دل سوزی اور تحریروں میں نصیحت ہو۔ ان کے پیغام میں خیر خواہی اور محبت ہو۔ ان کے سینے صاف اور ان کے دل کھلے ہوئے ہوں، وہ انانیت، غرور اور تعلی سے بالکل پاک ہو کر ہمدردی اور اخلاص کے ساتھ لوگوں کو اللہ کے دین کی طرف بلائیں اور آخرت کے سوا کسی چیز سے بھی ڈرانے کی کوشش نہ کریں۔ یہ بھی ضروری ہے کہ وہ کسی کے سامنے بھی ایک حریف اور مدعی کی حیثیت سے نہ جائیں بلکہ ایک عام آدمی سے لے کر صدر ریاست تک ہر ایک کے سامنے صرف دین کے ایک بے غرض خادم ہی کی حیثیت سے جائیں۔

زمانہ کتنا ہی خراب ہو اور حالات کتنے ہی ناساز گار ہو چکے ہوں لیکن ہمیں یقین و اعتماد ہے کہ اگر ہمارے علماء نے کام کا یہ طریقہ اختیار کر لیا تو اللہ تعالیٰ غیب سے اپنے دین کی نصرت کی راہیں کھولے گا اور ان کاموں کے لیے آدمی اور اسباب و وسائل سب آہستہ آہستہ فراہم ہو جائیں گے۔ ضرورت صرف اخلاص اور عزم کے ساتھ اٹھنے اور تمام اغراض سے بالاتر ہو کر کام میں لگ جانے کی ہے۔

تزکیۂ نفس

حصہ اول و دوم ایک جلد میں،

اگر آپ یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ :—

- اسلامی تصوف اور غیر اسلامی تصوف میں کیا فرق ہے ؟
- تزکیۂ نفس کے بنیادی اصول کیا ہیں ؟
- آدمی اپنے علم و عمل کو خدا کی پسند کے مطابق کس طرح بنا سکتا ہے ؟
- اسلامی عبادات سے مناسبت پیدا کرنے اور ان سے صحیح فائدہ اٹھانے کے لیے کن شرائط و آداب کا اہتمام ضروری ہے

تو آپ ———— !

مولانا امین احسن اصلاحی

کی اس معرکۃ الآرا تصنیف کا مطالعہ فرمائیں۔ زبان نہایت شگفتہ طرز استدلال نہایت دل نشین ——— ضخامت میثاق کے سائز کے ۳۴۴ صفحات ٹائیٹل خوبصورت و رنگین، سستا ایڈیشن، قیمت صرف ۳ روپے ۵۰ پیسے

عائلی کمیشن کی رپورٹ پر تبصرہ

اسلام کے ازدواجی مسائل پر مولانا اصلاحی کی معرکۃ الآرا تصنیف ۲۲×۱۸/۸ ۱۶۸ صفحات

——— قیمت : ۲ روپے ۲۵ پیسے ———

ملنے کا پتہ: مکتبہ میثاق رحمان پورہ - اچھرہ لاہور

سلسلہ تدبر قرآن

امین احسن اصلاحی

تفسیر سورۂ بقرہ

—— (۱۸) ——

۳۶- کیا اہل کتاب کے لیے رسول اللہ پر ایمان لانا ضروری نہیں؟

اس مجموعۂ آیات میں اللہ تعالیٰ نے ہم کو جو تعلیمیں دی ہیں الفاظ اور جملوں کی وضاحت کرتے ہوئے ہم ان کی طرف بقدر ضرورت اشارہ کرتے آئے ہیں۔ اب ان کو دہرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ البتہ مجموعہ کی آخری آیت ان الذین آمنوا (الایہ ۶۲) پر ہم یہاں کچھ گفتگو کریں گے اس لیے کہ اس زمانہ کے بعض متکلمین اور منکرین سنت اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ جو اہل کتاب اپنے اپنے صحیفوں کی تعلیمات پر نیک نیتی کے ساتھ عمل کر رہے ہیں، قرآن مجید ان کی نجات کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا ضروری نہیں ٹھہراتا۔ ان کے خیال میں ایسے اہل کتاب کی نجات کے لیے یہ کافی ہے کہ وہ اپنے اپنے صحیفوں اور نبیوں کی تعلیم پر نیک نیتی کے ساتھ عمل کریں۔ ان لوگوں نے اپنے اس خیال کی تائید میں جن چیزوں سے استدلال کیا ہے ان میں بقرہ کی یہ آیت بھی شامل ہے اس وجہ سے ضروری ہے کہ ہم اس آیت کا سیاق و سباق اچھی طرح واضح کر دیں تاکہ جو لوگ قصداً غلط فہمی میں مبتلا نہیں ہوئے ہیں ان کی غلط فہمی دور ہو جائے۔

اس آیت کو اس خیال کی تائید میں پیش کرنے کی بنیاد یہ ہے کہ اس میں ان کے خیال میں مسلمان

یہود، نصاریٰ اور صابئین تمام قابل ذکر مذہبی گروہوں کا نام لے کر تصریح کے ساتھ یہ بات کہی گئی ہے کہ ان میں سے جو بھی اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا اور عمل صالح کرتا ہے اس کے لیے اس کے رب کے پاس اجر ہے، اس کو نہ تو کوئی خوف لاحق ہوگا اور نہ کوئی غم۔ ظاہر ہے کہ اگر اس آیت کا یہی مفہوم لیا جائے تو مذکورہ فرقوں کے لوگوں کے لیے نجات حاصل کرنے کے واسطے نہ تو رسول اللہ پر ایمان لانے کی ضرورت باقی رہتی ہے اور نہ اللہ اور آخرت کے سوا ان دوسرے اجزائے ایمان پر ایمان لانے کی ضرورت باقی رہتی ہے جن پر ایمان لانا قرآن اور حدیث میں ضروری قرار دیا گیا ہے۔

لیکن اس آیت کا یہ مفہوم صرف اس صورت میں لیا جا سکتا ہے جب سیاق و سباق اس بات پر دلیل ہو کہ یہ آیت اجزائے ایمان کی تفصیل کے لیے نازل ہوئی ہے۔ آیت کے موقع و محل پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں سوال، جیسا کہ ہم اوپر بھی اشارہ کر چکے ہیں، یہ نہیں ہے کہ نجات کے لیے کن کن چیزوں پر ایمان لانا ضروری ہے اور کن پر ضروری نہیں ہے بلکہ یہ ہے کہ خدا کے ہاں کسی کو کوئی درجہ یا مرتبہ کسی مخصوص خاندان یا فرقہ یا گروہ سے نسبت رکھنے کی بنا پر حاصل ہوتا ہے یا ایمان اور عمل صالح کی بنا پر؟ اس سوال کا جواب قرآن مجید نے یہ دیا ہے کہ یہ چیز صرف ایمان اور عمل صالح کی بنا پر حاصل ہوتی ہے، یہ کسی خاص خاندان یا کسی گروہ کا اجارہ نہیں ہے۔ اور مقصود اس سے یہود کے سامنے اس حقیقت کو واضح کرنا ہے کہ انبیاء کے خاندان سے نسبت رکھنے کے سبب سے اپنے آپ کو وہ ایک نجات یافتہ گروہ جو سمجھنے لگے ہیں تو یہ سرتاسر ان کی غلط فہمی ہے۔ خدا سے نسبت حاصل کرنے کے لیے اصل چیز اللہ اور آخرت پر ایمان اور عمل صالح ہے۔

اس حقیقت کو اچھی طرح ذہن نشین کرنے کے لیے مندرجہ ذیل حقائق بھی پیش نظر رکھیے۔

ایک یہ کہ یہ آیت اُس سورہ میں وارد ہے جس کا عمود ہی، جیسا کہ ہم شروع میں تفصیل کے ساتھ واضح کر چکے ہیں[1]، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن مجید پر ایمان لانے کی دعوت ہے اور یہ دعوت خاص طور پر یہود ہی کے سامنے پیش بھی اسی سورہ میں کی گئی ہے۔ چنانچہ تلمیحات اور اشارات کو اگر

[1] ملاحظہ ہو تدبر قرآن، تفسیر سورہ بقرہ فصل ا

چھوڑ بھی دیجیے تو خاص یہ سلسلہ کلام جس کے خاتمہ پر زیر بحث آیت وارد ہے اس طرح شروع ہوتا ہے:

يٰبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ
اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَوْفُوْا بِعَهْدِيْٓ اُوْفِ
بِعَهْدِكُمْ وَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ۝ وَ
اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ
وَلَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍ بِهٖ وَلَا تَشْتَرُوْا
بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا وَّاِيَّايَ فَاتَّقُوْنِ
(۴۰ - ۴۱ بقرہ)

اے بنی اسرائیل میری اس نعمت کو یاد کرو جو میں نے تم پر کی اور میرے عہد کو پورا کرو، میں تمہارے عہد کو پورا کروں گا اور مجھ ہی سے ڈرو اور ایمان لاؤ اس چیز پر جو میں نے اتاری ہے تصدیق کرتی ہوئی اس چیز کی جو تمہارے پاس ہے اور تم اس کے پہلے انکار کرنے والے نہ بنو اور میری آیتوں کو حقیر قیمت پر نہ بیچو اور مجھ ہی سے تقویٰ اختیار کرو۔

اس آیت میں بنی اسرائیل کو صریح الفاظ میں مخاطب کر کے قرآن پر ایمان لانے کی دعوت دی گئی ہے اور اس کے انکار کو صریح الفاظ میں کفر سے تعبیر کیا گیا ہے۔ غور کیجیے کہ قرآن پر ایمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے بغیر کس طرح ممکن ہے۔ اور پھر اس بات پر غور کیجیے کہ جب اس آیت میں قرآن اور رسول اللہ پر ایمان نہ لانے کو کفر قرار دیا گیا ہے تو اسی سلسلہ کلام میں چند ہی آیتوں کے بعد اس مضمون کی آیت کس طرح آ سکتی ہے کہ اہل کتاب کے لیے قرآن پر یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا ضروری نہیں ہے اس کے بغیر بھی ان کی نجات ہو سکتی ہے۔ یہ تو نہایت بھونڈے قسم کا تضاد ہوگا جو کسی عام کتاب میں بھی سخت معیوب ہے، چہ جائیکہ قرآن حکیم میں۔

دوسری یہ کہ یہی آیت تھوڑے سے تغیر الفاظ کے ساتھ سورہ مائدہ میں بھی وارد ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا
وَالصّٰبِـُٔوْنَ وَالنَّصٰرٰى مَنْ اٰمَنَ
بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا
خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (۶۹ - مائدہ)

بے شک جو ایمان لائے اور جو یہودی ہوئے اور صابئی اور نصاریٰ، جو بھی ایمان لایا اللہ پر اور یوم آخرت پر اور جس نے عمل صالح کیا تو نہ ان پر کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

وہاں ٹھیک اس کے اوپر کی آیت یہ ہے :-

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَسْتُمْ عَلَىٰ شَيْءٍ حَتَّىٰ
تُقِيمُوا التَّوْرَاةَ وَالْإِنجِيلَ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْكُم
مِّن رَّبِّكُمْ وَلَيَزِيدَنَّ كَثِيرًا مِّنْهُم مَّا
أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَكُفْرًا
فَلَا تَأْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ۝

(۶۸ ۔ مایدہ)

کہہ دو، اے اہل کتاب تمہاری کوئی بنیاد نہیں ہے جب تک تم تورات اور انجیل کو قائم نہ کرو اور اس چیز کو قائم نہ کرو جو تمہاری طرف تمہارے رب کی جانب سے اتاری گئی ہے اور ان میں سے بہتوں کے اندر وہ چیز جو تیری طرف تیرے رب کی جانب سے اتاری گئی ہے سرکشی اور کفر کو بڑھاتی ہے تو تم اس کافر قوم کے حال پر غم نہ کرو۔

یہاں ظاہر ہے کہ ما انزل الیکم من ربکم سے مراد قرآن مجید ہے جس کے تورات اور انجیل کے ساتھ قائم کرنے کا ان سے مطالبہ کیا گیا ہے اور جس کو قائم کیے بغیر ان کے متعلق یہ فرمایا گیا ہے کہ سرے سے خدا کے نزدیک ان کی کوئی بنیاد ہی نہیں ہے چہ جائیکہ وہ اپنے آپ کو خدا کی محبوب اور چہیتی قوم سمجھیں۔ یہاں تورات و انجیل کو قائم کرنے کا جو حکم دیا گیا ہے تو اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ قرآن پر اور پیغمبر آخر الزمان پر ایمان لاؤ کیونکہ ان پر ایمان لانے ہی سے وہ عہد پورا ہوگا جو ان صحیفوں میں پیغمبر آخر الزمانؐ کے بارے میں تم سے لیا گیا تھا۔

اس مضمون کی مزید وضاحت اس سے اوپر کی آیتوں سے بھی ہو رہی ہے۔ ارشاد ہوا ہے:۔

وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْكِتَابِ آمَنُوا وَاتَّقَوْا
لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلَأَدْخَلْنَاهُمْ
جَنَّاتِ النَّعِيمِ وَلَوْ أَنَّهُمْ أَقَامُوا التَّوْرَاةَ
وَالْإِنجِيلَ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْهِم مِّن رَّبِّهِمْ
لَأَكَلُوا مِن فَوْقِهِمْ وَمِن تَحْتِ أَرْجُلِهِم
مِّنْهُمْ أُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ وَكَثِيرٌ مِّنْهُمْ سَاءَ
مَا يَعْمَلُونَ ۔ يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ
إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ وَإِن لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ
رِسَالَتَهُ وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ
إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ

(۶۵ - ۶۷ مائدہ)

اگر اہل کتاب ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم ان سے جھاڑ دیتے ان کے گناہ اور ان کو نعمت کے باغوں میں داخل کرتے اور اگر وہ تورات اور انجیل کو قائم کرتے اور اس چیز کو قائم کرتے جو ان کے رب کی جانب سے ان کی طرف اتاری گئی تو وہ اوپر اور نیچے ہر طرف سے خدا کا فضل پاتے۔ ان میں سے ایک جماعت میانہ رو ہے لیکن ان میں زیادہ ایسے ہیں جن کے عمل نہایت برے ہیں۔ اے رسول جو چیز تم پر تمہارے

رب کی جانب سے اتاری گئی ہے اس کو اچھی طرح پہنچا دو۔ اگر تم نے ایسا نہیں کیا تو گویا خدا کا پیغام نہیں پہنچایا اور اللہ تمہیں لوگوں کے شر سے محفوظ رکھے گا، اللہ کافروں کو راہ یاب نہیں کرتا۔

اس آیت میں بھی تورات و انجیل کے قایم کرنے سے مراد درحقیقت قرآن (و ما انزل الیھم من ربھم) پر ایمان لانا اور اس کو قایم کرنا ہے کیونکہ اس پر ایمان لانے ہی سے اس عہد کی تکمیل ہوتی تھی جو ان سے آخری پیغمبرؐ کے بارے میں تورات اور انجیل میں لیا گیا تھا۔ ساتھ ہی اس میں یہود و نصاریٰ کو یہ اطمینان بھی دلایا گیا ہے کہ انھیں اس بات کا اندیشہ نہیں ہونا چاہیے کہ اگر وہ قرآن پر ایمان لائے تو ان تمام دنیوی فوائد و منافع سے وہ محروم ہوجائیں گے جن سے اس وقت وہ متمتع ہورہے ہیں۔ اگر وہ اللہ سے باندھے ہوئے عہد کو پورا کرنے کے لیے اپنے موجودہ مفادات سے دستکش ہوجائیں گے تو اللہ تعالیٰ ان کے لیے اپنی رحمتوں اور برکتوں کے دوسرے بہت سے دروازے کھول دے گا۔

تیسری یہ کہ قرآن مجید میں اس بات کی تصریح ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد سے اہل کتاب میں سے خدا کی رحمت میں سے وہی اہل کتاب حصہ پائیں گے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں گے۔ چنانچہ جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی امت کے لیے رحمت کی دعا کی ہے تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ رحمت ان لوگوں کے لیے خاص ہوگی جو تقویٰ اختیار کریں گے۔ زکوٰۃ دیتے رہیں گے اور ہماری آیتوں پر ایمان لائیں گے اور ان میں سے جن کو پیغمبر آخر الزمان کی بعثت نصیب ہوگی وہ ان پر بھی ایمان لائیں گے۔ سورہ اعراف میں ارشاد ہے:۔

وَاكْتُبْ لَنَا فِي هَٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً
وَفِي الْآخِرَةِ إِنَّا هُدْنَا إِلَيْكَ قَالَ عَذَابِي
أُصِيبُ بِهِ مَنْ أَشَاءُ وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ
كُلَّ شَيْءٍ فَسَأَكْتُبُهَا لِلَّذِينَ يَتَّقُونَ وَ

اور ہمارے لیے اس دنیا میں اور آخرت میں بھلائی لکھ دے ہم نے تیری طرف رجوع کیا۔ فرمایا، میں اپنا عذاب جس پر چاہتا ہوں نازل کرتا ہوں اور میری رحمت ہر چیز کو عام ہے۔ سو میں اس کو لکھ رکھوں گا ان لوگوں کے لیے

وَيُؤْتُونَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِينَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا
يُؤْمِنُونَ ۝ اَلَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ
الْاُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهٗ مَكْتُوبًا عِنْدَهُمْ
فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيلِ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوفِ
وَيَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ
وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ
اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ
فَالَّذِينَ اٰمَنُوا بِهٖ وَعَزَّرُوهُ وَنَصَرُوهُ
وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِيٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ اُولٰٓئِكَ
هُمُ الْمُفْلِحُونَ (۱۵۵-۱۵۶-اعراف)

جو تقویٰ اختیار کریں گے اور زکوٰۃ دیتے رہیں گے اور جو ہماری آیتوں پر ایمان لائیں گے۔ یعنی جو اس رسول نبی امی کی پیروی کرتے ہیں جس کو لکھا ہوا پاتے ہیں اپنے ہاں تورات اور انجیل میں، جو ان کو حکم دیتا ہے نیکی کا اور روکتا ہے برائی سے اور حلال ٹھہراتا ہے ان کے لیے پاکیزہ چیزیں اور حرام ٹھہراتا ہے ناپاک چیزیں اور ان سے دور کرتا ہے وہ بوجھ اور پھندے جو ان پر تھے۔ پس جو اس پر ایمان لائے اور جنھوں نے اس کی تائید اور مدد کی اور اس نور کی پیروی کی جو اس کے ساتھ اتارا گیا ہے وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔

چوتھی یہ کہ قرآن مجید میں اس بات کی بھی تصریح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت تمام دنیا کے لوگوں کے لیے ہوئی ہے اور آپ نے تمام خلق کو عموماً اور اہل کتاب کو خصوصاً اپنی نبوت پر ایمان لانے کی نہایت غیر مبہم الفاظ میں دعوت بھی دی ہے۔ چنانچہ اہل کتاب کو خاص طور پر مخاطب کرکے آپ نے ان الفاظ میں دعوت دی ہے۔

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّي رَسُولُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ
جَمِيعًا الَّذِي لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيتُ فَاٰمِنُوا بِاللّٰهِ
وَرَسُولِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الَّذِي يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ
وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ
(۱۵۷ - اعراف)

کہہ دو، اے لوگو میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہو کر آیا ہوں۔ اس اللہ کا جس کے لیے ہی ہے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی۔ نہیں ہے کوئی معبود مگر وہ۔ وہی زندہ کرتا ہے اور وہی مارتا ہے پس ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول نبی امی پر جو ایمان لاتا ہے اللہ اور اس کے کلمات پر اور اسی کی پیروی کرو تاکہ تم راہ پاؤ۔

اس تفصیل سے یہ بات معلوم ہوئی کہ نجات کے لیے جس طرح دوسروں کے لیے نبی صلی اللہ

علیہ وسلم پر ایمان لانا ضروری ہے اسی طرح اہل کتاب کے لیے بھی ضروری ہے بلکہ قرآن کے الفاظ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اہل کتاب کے لیے دوسروں کے بالمقابل زیادہ ضروری ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے صحیفوں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئیاں اور علامتیں موجود تھیں اور ان سے ان کے نبیوں کے واسطے سے عہد لیا جا چکا تھا کہ جب آخری نبی کی بعثت ہوگی تو وہ اس پر ایمان لائیں گے اور سب سے آگے بڑھ کر اس کی مدد کریں گے۔ چنانچہ اسی بنیاد پر قرآن نے ان کو مخاطب کرکے یہ کہا ہے کہ تمہارا فرض منصبی اس دعوت کو قبول کرنے میں سبقت کرنا ہے، تم اس کی تکذیب میں سبقت کرنے والے نہ بنو۔

یہاں یہ حقیقت بھی واضح رہے کہ اس معاملہ میں قرآن مجید نے اچھے اہل کتاب اور برے اہل کتاب میں کوئی فرق نہیں کیا ہے۔ جہاں تک نجات کا تعلق ہے دونوں ہی قسم کے اہل کتاب کی نجات کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن مجید پر ایمان لانا ضروری ہے۔ اگر اہل کتاب کے صالح لوگوں کی قرآن نے جگہ جگہ تعریف کی ہے تو اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ ان کی یہ نیکی ان کی نجات کے لیے کافی تھی بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان لوگوں کا رویہ ان کی حق پسندی کے سبب سے اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ اچھا تھا اور اس قسم کے سارے لوگ آہستہ آہستہ حلقہ بگوش اسلام ہوگئے۔ دوسرے آسمانی مذاہب اور آسمانی صحیفوں کے بارے میں قرآن مجید کا یہ موقف ضرور ہے کہ وہ ان کے آسمانی ہونے کی تصدیق کرتا ہے لیکن اس تصدیق کے بھی یہ معنی نہیں ہیں کہ وہ ان کو محفوظ مانتا ہے اور اگر ان کے پیرو نیک نیتی کے ساتھ ان کی پیروی کرتے رہیں تو یہ چیز ان کی نجات کے لیے کافی ہو جائے گی بلکہ وہ ان کے آسمانی ہونے کی تصدیق کے ساتھ بالکل غیر مبہم الفاظ میں یہ بات بھی کہتا ہے کہ ان صحیفوں میں بہت سی تحریفیں ہو چکی ہیں جن کے سبب سے یہ قابل اعتماد نہیں رہے۔ اب خدا کے دین کا محفوظ صحیفہ صرف قرآن ہے۔ اس کے سوا صراط مستقیم پانے کا کوئی اور ذریعہ نہیں ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد دنیا کے لیے صراط مستقیم پانے اور نجات حاصل

کرنے کا واحد ذریعہ اگر کوئی ہے تو یہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لایا جائے اور آپ کی پیروی کی جائے۔ اس کے سوا نجات حاصل کرنے کا کوئی اور ذریعہ نہیں ہے۔ اس کلیہ میں اگر کسی استثنا کی گنجائش نکلتی ہے تو صرف ان لوگوں کے لیے نکلتی ہے جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت سرے سے پہنچی ہی نہ ہو لیکن اس معاملہ کا فیصلہ ہم اور آپ نہیں کر سکتے بلکہ وہ عالم الغیب ہی کر سکتا ہے جو سب کے حالات اور ہر ایک کے ظاہر و باطن سے اچھی طرح واقف ہے۔ وہی جانتا ہے کہ کون لوگ ہیں جنھوں نے حق کو ڈھونڈھنے کے لیے اپنی ذمہ داریاں ادا کیں لیکن دعوت نہ پہنچنے کے سبب سے وہ حق کو پانے سے محروم رہے۔ امید ہے کہ ایسے لوگوں کے عذر کو اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور ان سے ان کے علم ہی کے حد تک مواخذہ فرمائے۔

۳۷۔ مسلمانوں کے لیے ایک خاص تنبیہہ

آیت زیر بحث میں مسلمانوں کے لیے ایک خاص تنبیہہ بھی ہے جس کی طرف یہاں توجہ دلا دینا ضروری ہے۔

اس آیت میں ان الذین آمنوا سے مراد مسلمان بحیثیت ایک گروہ اور جماعت کے ہیں۔ ان کے متعلق فرمایا کہ خواہ مسلمان ہوں یا یہود یا نصاریٰ یا صابئی کوئی ہو اللہ کے ہاں بحیثیت ایک گروہ کے سب برابر ہیں۔ ان میں سے کسی کو بھی خدا کے ہاں کوئی شرف اور عزت حاصل نہیں ہے مگر ایمان اور عمل صالح کے ذریعہ سے۔ صرف ایمان اور عمل صالح ہی ہے جو خدا کے ہاں تقرب اور عزت کا وسیلہ بن سکتا ہے۔ اس فہرست میں سر فہرست مسلمانوں کو رکھا ہے جس سے اس حقیقت کا اظہار مقصود ہے کہ اگر بحیثیت ایک گروہ کے خدا کے ہاں کسی عزت کی توقع کر سکتے تھے تو مسلمان کر سکتے تھے جن کو خدا نے دنیا کی اصلاح کے لیے آخری ملت اور خیر امت کی حیثیت سے مبعوث فرمایا ہے لیکن ایمان اور عمل صالح سے الگ ہو کر ان کے لیے بھی خدا کے ہاں کوئی مقام نہیں ہے۔ پھر آخر میں صابئین کا ذکر کیا ہے — جن کی حیثیت ایک غیر معروف فرقہ کی تھی۔ یہ اس حقیقت کی

(باقی صلا پر)

مطالعۂ حدیث

مولانا عبدالغفار حسن صاحب

تدوین سنت

اس سے قبل اکتوبر کے "میثاق" میں غربت اسلام کے اسباب میں سے تحریف دین کی چند مثالیں اور نمونے پیش کیے گئے تھے۔

تحریف دین کی ایک صورت انکار سنت کی شکل میں آج کل منظر عام پر آ رہی ہے۔

اس گروہ کے سرخیل سنت کی عظمت و اہمیت کم کرنے کے لیے مختلف نوع کے شبہات لوگوں کے دلوں میں پیدا کرتے رہتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ :-

(الف) سنت کا کیا اعتبار یہ تو دوسری تیسری صدی ہجری میں تحریری شکل میں مرتب ہوئی تھی۔

(ب) سنت اگر واقعی اسلامی شریعت کا ماخذ اور سرچشمہ ہوتی تو کیوں نہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی ہی میں اسے کتابی شکل میں مدون اور مرتب فرما دیا۔

(ج) بلکہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری شدت کے ساتھ حدیث کو قلم بند کرنے سے روک دیا تھا۔

ذیل کے مضمون میں محولہ بالا حدیث کے صحیح مفہوم کو متعین کرتے ہوئے اس سلسلے کی غلط فہمیوں یا مغالطوں کو دور کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور ساتھ ہی تدوین سنت کی مختصر تاریخ بھی پیش کر دی گئی ہے (غ-ح)

عن ابی سعید الخدری قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تکتبوا عنی غیر القرآن ومن کتب عنی غیر القرآن فلیمحہ

حضرت ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مجھ سے سوائے قرآن کے اور کچھ نہ لکھو اور جس نے قرآن کے سوا کچھ لکھا ہو تو اسے مٹا دے۔

(باب التثبت فی الحدیث صحیح مسلم ج ۲ ص ۴۱۴)

•

عام طور پر منکرین سنت اس حدیث کے صرف مذکورہ بالا الفاظ ہی بیان کرتے ہیں پوری حدیث نقل نہیں کرتے۔ آخر یہ کونسی دیانت اور قرآنی اتباع ہے کہ ایک ہی روایت میں سے اپنے مطلب کے الفاظ لوگوں کے سامنے انتہائی زور شور سے پیش کیے جائیں اور باقی اجزاء کو نظر انداز کر دیا جائے۔

اسی روایت میں مزید یہ الفاظ بھی ملتے ہیں :-

وحدثوا عنی ولا حرج ، ومن کذب علی متعمدا فلیتبوا مقعدہ من النار

اور مجھ سے حدیثیں بیان کرو اس میں کوئی حرج نہیں ہے اور جس نے مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ باندھا وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنائے۔

حدیث کے ان دونوں آخری جملوں سے صاف واضح ہو رہا ہے کہ غیر قرآن کے لکھنے کی ممانعت اس بنا پر نہ تھی کہ دین میں حدیث کی کوئی اہمیت ہی نہیں ہے۔ اگر یہی منشا ہوتا تو آپ حدیثوں کے بیان کرنے کا حکم کیوں دیتے، اور جھوٹی من گھڑت حدیثوں کے نقل و روایت پر وعید کیوں سناتے۔

اس سے معلوم ہوا کہ صحیح روایات کے سنانے میں کوئی حرج نہیں ہے بلکہ دوسری حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے احادیث یاد کرنے والے اور دوسروں تک پہنچانے والے کے لیے دعا فرمائی ہے۔

عن ابن مسعودؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نضر اللہ امرأ سمع مقالتی فحفظھا ووعاھا واداھا

مشکوٰۃ ص ۳۵ بحوالہ ابوداؤد ، ترمذی

حضرت ابن مسعود سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس بندے کو تر و تازہ اور خوش و خرم رکھے جس نے میری بات سنی اور اسے خوب محفوظ رکھا اور دوسروں تک اسے پہنچایا۔

یہ تاکید و ترغیب اسی لیے دی جا رہی ہے کہ سنت اسلامی شریعت کا دوسرا ماخذ ہے، اس کے بغیر قرآن کا فہم ہی ناممکن ہے۔ جیسا کہ امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا ہے :-

لولا السنۃ ما فھم احد منا القرآن

قواعد الحدیث ص ۲۱

اگر سنت نہ ہوتی تو ہم میں سے کوئی بھی قرآن کا فہم حاصل نہ کر سکتا۔[1]

سنت کی تفصیلات کو قلم بند کرنے کا حکم نہ صرف یہ کہ حدیث سے ملتا ہے بلکہ خود قرآن بھی اس کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

قرآن اور کتابتِ حدیث قرآن میں ارشاد ہے ولا تسأموا ان تکتبوہ صغیرا او کبیرا الی اجلہ ، ذالکم اقسط عند اللہ واقوم للشھادۃ وادنی الا ترتابوا۔ یعنی قرض تھوڑا ہو یا زیادہ اس کے لکھنے میں سستی نہ کرو، اس کو مدت کے تعین کے ساتھ لکھو، یہ لکھنا خدا کے ہاں انصاف کی بات ہے، اور شہادت کو ٹھیک رکھنے والا ہے، اور یہ طرز عمل اس امر کے زیادہ قریب ہے کہ تم شک و شبہ سے بالاتر رہو گے۔

امام ابو حنیفہؒ اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

لما امر اللہ بکتابۃ الدین خوف الریب کان العلم الذی حفظہ اصعب من حفظ الدین احری ان یباح کتابتہ خوف الریب والشک فیہ

شرح معانی الآثار طحاوی ج ۲ ص ۳۸۳

جب اللہ تعالیٰ نے شک و شبہ سے بچنے کے لیے قرض کے لکھنے کا حکم دیا ہے تو علم (علم حدیث) کا یاد رکھنا قرض کے یاد رکھنے سے بھی زیادہ مشکل ہے، اسی بنا پر علم حدیث میں شک و شبہ سے محفوظ رکھنے کے لیے اس کے لکھنے کی اجازت ضروری ہے۔

دوسرا استدلال کتابت حدیث کے لیے علامہ ابو الملیح نے دوسری آیت سے استدلال کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں :-

[1] یہ قول خاص طور پر یہاں اس لیے نقل کیا گیا ہے کہ منکرین سنت امام ابو حنیفہ کو اپنے گروہ میں شمار کرتے ہیں (مقام حدیث شائع کردہ ادارہ طلوع اسلام)

یعیبون علینا الکتاب وقد قال اللہ تعالیٰ علمہا عند ربی فی کتاب

جامع بیان العلم ص۶۳ ج۱

لوگ ہم محدثین کو حدیث لکھنے کا طعنہ دیتے ہیں حالانکہ پہلی قوموں کا حال خود اللہ تعالیٰ کے پاس لکھا ہوا موجود ہے جس کی شان یہ ہے کہ نہ وہ بھٹکتا ہے اور نہ بھولتا ہے۔ تو انسان جو سراپا نسیان ہے آخر وہ کیسے کتابت و لکھنے سے بے نیاز رہ سکتا ہے؟

•

واضح رہے کہ محدثین میں کتابت حدیث کے بارے میں دو رائیں پائی جاتی تھیں (۱) صحابہ کا ایک گروہ اس کا قائل اور حامی تھا۔ (۲) بعض صحابہ اس بنا پر اس کے مخالف تھے کہ اس طرح اہل علم حفظ سے کام لینے کے بجائے سارا اعتماد اپنے نوشتوں پر کریں گے۔ (مقدمہ ابن الصلاح ص۲۱)

لیکن بعد کے دور میں کتابت حدیث کے جواز پر اجماع ہو گیا (مقدمہ ابن الصلاح ص۲۱)

اس تصریح سے واضح ہو گیا کہ بعض اہل علم کے نزدیک سرمایۂ سنت قلم بند کرنے سے اختلاف اس بنا پر نہ تھا کہ ان کے نزدیک حدیث شرعی حجت نہ تھی بلکہ اس کی اصل وجہ وہی ہے جس کی وضاحت سطور بالا میں کی گئی ہے۔

کتابت حدیث کی ممانعت کیوں؟ زیر تشریح حدیث غیر قرآن لکھنے کی ممانعت دائمی اور قیامت تک کے لیے نہیں تھی بلکہ یہ ایک وقتی اور ابتدائی دور میں حکم دیا گیا تھا تاکہ کہیں روایات اور قرآنی آیات کے اختلاط سے قرآن کی امتیازی شان ختم نہ ہو جائے۔

علماء حدیث نے اس روایت کا یہی مفہوم متعین کیا ہے۔

(۱) حافظ ابن حجر لکھتے ہیں النھی متقدم والاذن ناسخ لہ فتح الباری ص۱۰۶ پ۱

(۲) ابن الجوزی کا بیان ہے۔ نھی فی اول الامر ثم اجاز الکتابۃ رسالہ الناسخ والمنسوخ ص۱۳

(۳) ابن قتیبہ لکھتے ہیں نھی فی اول الامر عن ان یکتب ثم رأی ان تکتب وتقید (تاویل مختلف الحدیث ص۳۶۵) ان سب عبارات کا ماحصل یہ ہے کہ پہلے آپ نے لکھنے کی ممانعت کی تھی لیکن بعد میں اس کی اجازت دے دی۔

کتابت حدیث کی اجازت کتابت حدیث کی اجازت پر مشتمل احادیث قولی بھی ہیں اور فعلی بھی:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی کے آخری لمحات میں مرض الموت کی حالت میں صحابہ کرام کو مخاطب کرتے ہوئے حکم دیا تھا:

ائتونی بکتاب اکتب لکم (صحیح بخاری العصری ص۳۹ ج۱) میرے پاس لکھنے کا سامان لاؤ میں تمہیں کچھ لکھوا دوں۔

ظاہر ہے کہ یہاں "کچھ لکھوا دوں" سے مراد قرآن تو ہو نہیں سکتا، کیونکہ قرآن کا نزول مکمل ہو چکا تھا اور آیت "الیوم اکملت لکم دینکم" نازل ہو چکی تھی۔ اس لیے قرآن کے سوا کچھ اور باتیں آپ لکھوانا چاہتے تھے۔

اس موقع پر حضرت عمرؓ کا یہ قول بھی منقول ہے کہ "حسبنا کتاب اللہ" (ہمیں اللہ کی کتاب کافی ہے۔) منکرین سنت نے حضرت عمرؓ کے اس قول کو تو خوب اچھالا لیکن ارشاد نبوی "ائتونی بکتاب اکتب لکم" کو بالکل پی گئے، حالانکہ اس سے کتابت حدیث کا جواز واضح طور پر سامنے آجاتا ہے۔ (حضرت عمرؓ کے اس قول کا صحیح مطلب بعد میں عرض کیا جائے گا انشاء اللہ)

کتابت حدیث کے بارے میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فعلی احادیث کی وضاحت سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ منکرین سنت کے اس شبہ کو صاف کر دیا جائے کہ اگر حدیث شرعی حجت ہوتی تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زندگی میں اسے کتابی شکل میں مدون کروا دیتے۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر قرآن کی کونسی آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جو چیز دین میں حجت ہو اس کا کتابی شکل میں ہونا بھی ضروری ہے۔ یہ تو اسی قسم کا مطالبہ یا مغالطہ ہے جو قرآن کے مقابلہ میں قریش مکہ کی طرف سے پیش کیا گیا تھا۔ وہ کہا کرتے تھے:-

او ترقی فی السماء ولن نؤمن لرقیک حتی تنزل علینا کتابا نقرءہ (پ۱۵ سورہ بنی اسرائیل)

یا تو آسمان پر چڑھ جائے اور ہم تیرے چڑھنے پر یقین نہیں کریں گے تاوقتیکہ تو ہم پر ایسی کتاب اتار کر نہ لائے جسے خود ہم پڑھ سکیں۔

اسی طرح اہل کتاب نے مطالبہ کیا تھا:-

یسئلك اهل الكتاب ان تنزل عليهم اہل کتاب سوال کرتے ہیں کہ آپ آسمان سے کتاب
كتابا من السماء اتار کر لائیں۔

یعنی جب تک قرآن، کتابی شکل میں لکھا لکھایا ان کے سامنے نہ آجائے وہ ایمان لانے کے لیے تیار نہ تھے۔ قرآن نے ان کے اس مطالبے کے جواب میں کہا۔

ولو نزلنا علیك کتاباً فی قرطاس اور اگر ہم آپ پر کاغذ پر لکھی لکھائی کتاب بھی نازل
فلمسوہ بایدیھم لقال الذین کفروا کر دیتے جس کو وہ اپنے ہاتھوں سے مس بھی کر لیتے۔
ان ھذا الا سحر مبین سورہ انعام پ۷ تب بھی یہ لوگ کہتے کہ نہیں ہے یہ مگر کھلا ہوا جادو۔

قرآن نے ان کے اس مطالبہ کو تسلیم کرنے کے بجائے، قرآنی عظمت کی نشانی یہ قرار دی کہ وہ اہل علم کے سینوں میں محفوظ ہے، بَلْ هُوَ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ فِي صُدُورِ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ (سورہ عنکبوت پ۲۱) ٹھیک اسی طرح سنت کے ذخائر بھی شروع شروع سینوں میں محفوظ رہے اور پھر آہستہ آہستہ سفینوں میں منتقل ہوتے چلے گئے۔

یہاں یہ بات بھی واضح رہے کہ سنت نام ہے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول، فعل اور تقریر[1] کا۔ اور آپ کے قول، فعل اور تقریر کا سلسلہ آپ کی زندگی کے آخری سانس تک جاری رہا تو یہ کیسے ممکن تھا کہ سنت کا سارا ذخیرہ آپ کی زندگی ہی میں کتابی شکل میں مدون ہو جاتا۔ پھر یہ امر بھی قابل غور ہے کہ سنت رسول کے حافظ عہد نبوی ہی میں مختلف علاقوں میں منتشر ہو گئے تھے۔ ان کو یکجا کیے بغیر کسی وسیع اور جامع مجموعۂ حدیث کی تدوین کیسے ہو سکتی تھی۔ ظاہر ہے کہ ان حالات میں اس قسم کا اہتمام قطعاً ناممکن تھا۔ پھر یہاں یہ بات بھی مخفی نہ رہے کہ سنت کے وسیع سرمایہ کو قلم بند کرنے کے لیے ضرورت تھی کہ بہت سے کاتبوں کو یکجا کیا جاتا اور ان کو دوسرے کاموں سے فارغ کر کے صرف اسی کام پر لگا دیا جاتا۔ یہ شکل بھی اس وقت ناممکن تھی، مسلمانوں میں

---

[1] تقریر کے معنی ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کوئی کام کیا گیا ہو اور اس پر آپ نے انکار نہ فرمایا ہو۔

کاتبین کی تعداد انتہائی قلیل تھی۔ اسی بنا پر آپ نے بدر کے قیدیوں کی رہائی کے لیے کتابت کی تعلیم کو زر فدیہ کے ہم پلہ قرار دے دیا تھا۔ (مسند احمد ج ا صفحہ ۲۴۶) ویسے عقلی طور پر بھی یہ اعتراض غلط ہے کہ چونکہ عہد نبوی میں حدیثیں کتابی شکل میں مدون نہیں ہوئی تھیں اس لیے ان کو حجت تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔

آج کے "ترقی یافتہ" دور میں بھی متعدد ملکوں کا کاروبار مملکت غیر مدون دساتیر پر چل رہا ہے۔ اس کی واضح مثال انگلستان کا روایاتی، غیر تحریری دستور ہے۔ مذکورہ بالا تمام مشکلات اور مجبوریوں کے باوجود سنت کا ایک بہت بڑا ذخیرہ عہد نبوی اور عہد صحابہ میں قلم بند کر لیا گیا تھا۔ اس بارے میں مستند اور قابل اعتماد شواہد و نظائر ملتے ہیں۔ اس لیے یہ کہنا انتہائی غلط ہے، کہ سنت کی کتابت و تدوین کا آغاز دوسری یا تیسری صدی ہجری میں ہوا۔ (باقی آئندہ)

شرائط ایجنسی ماہنامہ میثاق لاہور

- ہر ایجنسی کم از کم ۵ پرچوں کی ہوگی
- محصول ڈاک دفتر میثاق کے ذمہ ہوگا
- کمیشن ۳۹ پرچوں تک ۲۵ فیصدی اور زیادہ پر ۳۳$\frac{1}{3}$ فی صدی دیا جائے گا۔
- جو حضرات پرچہ رجسٹری کے ذریعہ طلب فرمائیں گے ان کو.... دو روپے فی پرچہ کے حساب سے پیشگی رقم بطور سیکیورٹی دفتر میں جمع کرانا ضروری ہے اور ہر ماہ بل کے مطابق رقم کی ادائیگی ضروری ہوگی۔ جو حضرات پرچہ وی پی کے ذریعہ طلب فرمائیں گے ان کو .... کوئی رقم پیشگی نہیں جمع کرانا پڑے گی، اور ہر ماہ منی آرڈر کمیشن بھی نہیں خرچ کرنا پڑے گا۔

مینیجر ماہنامہ میثاق لاہور

بقیہ تفسیر سورۂ بقرہ

طرف اشارہ ہے کہ خواہ کوئی گروہ کتنا ہی گمنام اور بے حیثیت ہو لیکن اگر اس کے پاس ایمان اور عمل صالح کی دولت موجود ہو تو اس کو اللہ کے ہاں اونچے سے اونچا مقام حاصل کرنے سے کوئی روک نہیں سکتا۔

جس طرح یہود نے انبیاء علیہم السلام کے ساتھ نسبت رکھنے کے سبب سے اپنے آپ کو خدا کی ایک محبوب قوم سمجھ رکھا تھا اور اس غلط فہمی میں مبتلا ہو کر ایمان اور عمل صالح کی ذمہ داریوں سے بے نیاز ہو گئے تھے اور سمجھنے لگے تھے کہ دوزخ کی آگ صرف دوسروں ہی کے لیے ہے، ان کے لیے نہیں ہے اور اگر ہے بھی تو صرف عارضی طور پر، اسی طرح مسلمان بھی امت مرحومہ میں ہونے کا یہ مطلب سمجھنے لگے ہیں کہ ان کے لیے تو بہر حال خدا کے ہاں معافی ہے خواہ ان کے اعمال کچھ بھی ہوں۔ یہ آیت اس قسم کے تمام توہمات کی جڑ کاٹتی ہے اور مسلمانوں کو تنبیہ کرتی ہے کہ خدا کے ہاں ایمان اور عمل صالح کی کسوٹی پر سب سے پہلے جو پرکھے جائیں گے ان میں مسلمان سر فہرست ہیں۔

۲۰۔ آگے کا سلسلہ کلام

آگے بنی اسرائیل کو ان تمام عہد شکنیوں کی یاد دہانی کی جا رہی ہے جن کے وہ ابتداء سے خدا کی شریعت کے معاملہ میں مرتکب ہوتے رہے ہیں اور مقصود اس سے اس امر کو واضح کرنا ہے کہ کیوں وہ اس بات کے مستحق ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو امامت کے منصب سے معزول کرے اور ان کی جگہ ایک دوسری امت کو اٹھائے جو اس کی شریعت کو از سر نو تازہ صورت میں دنیا کے سامنے پیش کرے اور اس کو قائم کرے۔ یہ سلسلہ آگے دور تک جاتا ہے جس کے بیچ بیچ میں نئی برپا ہونے والی امت یعنی مسلمانوں سے مناسب موقع خطابات بھی ہیں لیکن یہ خطاب ضمنی ہیں۔ اصل خطاب یہود ہی سے اور مقصود، جیسا کہ ہم نے اشارہ کیا، یہود کی فرد قرار داد جرم کو پوری تفصیل کے ساتھ ان کے سامنے رکھ دینا ہے۔

باقی

★

اجتماعیات و سیاسیات

مولانا سید جلال الدین صاحب انصر عمری

اسلام کا شورائی نظام

(۵)

چند مثالیں جب تک کہ تحریک اسلامی مکہ کی تنگنائیوں میں محصور رہی اس وقت تک اسے ہیئت اجتماعی نصیب نہیں ہوئی۔ مسلمانوں کے ہاتھوں میں اتنا تمکن و اقتدار ہی نہیں تھا کہ وہ خدا کی نازل کردہ ہدایت کے ذریعہ منظم اجتماع کی تعمیر و تشکیل کریں۔ اسی لیے اجتماعی زندگی کی تفصیلات ہمیں مکی زندگی کے اوراق میں نہیں ملتی ہیں گو کہ تاریخ ہماری اس قدر رہنمائی کرتی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام دار ارقم میں مجتمع ہوتے تھے اور دین حق کی تعلیمات حامل وحی صلی اللہ علیہ وسلم سے اخذ کرتے تھے۔ اسی کے ساتھ یہ بات بھی قرین قیاس ہے کہ ان اجتماعات میں خدا کے دین کے فروغ اور سربلندی کے لیے بھی اجتماعی غور و فکر ہوتا ہو گا لیکن افسوس کہ آج سیر و تذکرہ کی کتابوں سے یہ زریں اوراق مفقود ہیں۔

لیکن جب سرزمین مدینہ نے دعوت اسلامی کے لیے اپنا سینہ کھول دیا تو مسلمانوں کو کھلی فضا میں اپنے نصب العین اور نظریہ کے مطابق ایک ریاست کی داغ بیل ڈالنے کا موقع ملا۔ تاریخ نے اس دور کے تمام اہم واقعات کو آئندہ کے مسافران راہ حق کے لیے سنگ میل کے طور پر محفوظ رکھا ہے۔

اس مقام پر ہم چند قومی و اجتماعی فیصلوں کا تجزیہ کر کے دکھانا چاہتے ہیں کہ اس دور کا نظام کس قدر شورائی اور جمہوریت نواز تھا۔

(۱) **واقعہ بدر** ہجرت کے دو ہی سال بعد معرکۂ بدر قائم ہوا جو اسلامی تاریخ میں بہت ہی اہم اور

دور رس نتائج کا حامل رہا ہے۔ تاریخ کی روشنی میں یہ بات پورے وثوق کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ اس اہم اور فیصلہ کن معاملہ کی طرف اقدام باہمی مشورہ اور قوم کی تائید حاصل کر لینے کے بعد کیا گیا۔ یہاں یہ دعویٰ کرنے کی کوئی شخص جرأت نہیں کر سکتا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نمائندگانِ قوم کو نظر انداز کر کے محض اپنی ذاتی رائے سے کوئی فیصلہ کر لیا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے معاملہ کے تمام نشیب و فراز کو قوم کے سامنے کھول کر رکھ دیا تھا کہ شام سے ابوسفیان کا تجارتی قافلہ آرہا ہے، ساتھ ہی اس بات کا قوی امکان ہے کہ قافلہ کی حفاظت کے لیے مکہ کی ساری عسکری قوت میدان میں کود پڑے۔ مجھ سے اللہ نے وعدہ کیا ہے کہ پرستارانِ حق کا ان دونوں میں سے کسی ایک سے مقابلہ ہو کر رہے گا۔ اگر قافلہ سے مقابلہ ہوا تو مالِ غنیمت لے کر لوٹیں گے اور دشمنانِ حق کی مالی پوزیشن کو بڑی حد تک کمزور کر سکیں گے۔ لیکن اگر قریش کی فوج سے مُٹھ بھیڑ ہو گیا تو یہ حق و باطل کا پنجہ آزمائی ہوگی جس میں یقین ہے کہ فتح و نصرت کا پرچم حق کے ہاتھ میں ہوگا اور پرچمِ باطل سرنگوں ہوگا۔

یہ سُن کر حضرت ابوبکرؓ (جنھیں ہم مہاجرین کا نمائندہ کہہ سکتے ہیں) نے تقریر کی اور کہا کہ ہم میدانِ جنگ کی طرف سر بکف نکلنے کے لیے تیار ہیں اور خدا کے دین کی حفاظت کے لیے ہمارے آخری قطرۂ خون کی ضرورت ہو تو اس سے بھی دریغ نہیں کیا جائے گا بلکہ یہ تو ہماری سعادت و سرخروئی ہے۔ اسی طرح حضرت عمرؓ اور دیگر نمائندگانِ مہاجرین نے آنحضرتؐ کے ارادے کی تائید کی۔

ان عزم سے بھرپور اور حوصلہ افزا تقریروں کے سننے کے باوجود آنحضرتؐ کا روئے سخن کسی اور ہی طرف تھا۔ آپ انصار کے عندیہ سے واقف ہونا چاہتے تھے کیونکہ ایک تو کثرت ان ہی کی تھی اور دوسرے یہ کہ انصار نے حمایت کا وعدہ مدینہ پر فوج کشی کی صورت میں کیا تھا۔ مدینہ سے باہر نکل کر مقابلہ کرنا ان پر ضروری نہیں تھا لیکن جب انصار نے محسوس کیا کہ ذاتِ اقدس کو خطاب ہم ہی سے ہے تو نمائندگانِ انصار نے ارادۂ نبوی کی پُرزور حمایت کی اور کہا کہ حضورؐ حکم دیں تو ہم سمندر کا سینہ چیر کر آگے نکل جائیں، ہم حضرت موسیٰؑ کی قوم کی طرح یہ جواب نہیں دے سکتے کہ جاؤ تم اور تمہارا

رب دشمن سے مقابلہ کرو ہم میں تابِ نبرد آزمائی نہیں۔

ان پُرجوش کلمات کے بعد آنحضرتؐ نے اپنی رائے کو آخری شکل دی، اس طرح قوم کے اجتماعی فیصلہ سے معرکۂ بدر قائم ہوا[1]

(۲) **میدانِ جنگ کا انتخاب** میدانِ بدر میں جب فوج پڑاؤ ڈال چکی تو حباب بن منذرؓ نے آنحضرتؐ سے دریافت فرمایا کہ یہ مقام جہاں کہ فوج اس وقت خیمہ زن ہے کیا اس کا تعین زبانِ وحی نے کیا ہے یا جنگی تدبیر اور آپ کی رائے اس کی باعث ہوئی ہے، اگر پہلی صورت ہے تو ہم مجالِ دم زدن نہیں رکھتے لیکن اگر دوسرا پہلو ہے تو جنگی تدابیر متقتضی ہیں کہ ہم پانی کے چشموں پر قبضہ کر لیں تاکہ قریش ضرورت پر پانی نہ پا سکیں۔ حضورؐ نے یہ سن کر جواب دیا تم نے بہت صحیح رائے دی ہے چنانچہ اسی رائے کے مطابق عمل ہوا[2]

اس سے یہ حقیقت بھی ثابت ہوئی کہ امورِ رسالت کے علاوہ بقیہ تمام اجتماعی معاملات میں صحابہ کو رائے دینے کا حق حاصل تھا۔

(۳) **ابوالعاص کا فدیہ**[3] جنگِ بدر نے مسلمانوں کے حق میں کامیابی کا اعلان کیا اور مشرکینِ مکہ کی سیاہ تاریخ میں ایک اور صفحہ کا اضافہ ہوا۔ مسلمانوں کو بہت سا مال اور نشتر قیدی ہاتھ آئے۔ ان قیدیوں میں آنحضرتؐ کے داماد ابوالعاص بھی تھے جنھوں نے تا ایں دم اسلام قبول نہیں کیا تھا اسی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت زینبؓ اسلام لانے کے باوجود ابوالعاص کے ماتحت مکہ ہی میں تھیں۔ جب حضرت زینبؓ کو اپنے شوہر کی گرفتاری کی اطلاع ملی اور یہ بھی کہ بغیر فدیہ کے کسی کو رہا نہیں کیا جا رہا ہے تو حضرت زینبؓ نے فدیہ میں وہ ہار بھیجا جو حضرت خدیجہؓ نے جہیز میں

---

[1] باب غزوۂ بدر، تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو البدایہ والنہایۃ ج ۳ ص۔ ہم نے ان ہی روایات کو لیا ہے جو مسلم کے اجمال سے مطابقت رکھتی ہیں۔ [2] سیرت ابن ہشام ص ۴۳۹، البدایہ والنہایۃ ج ۳ ص ۲۶۷

[3] اسی ضمن میں بدر کے قیدیوں کے عدم ذکر سے تعجب ہو سکتا ہے لیکن چونکہ اس کی بعض تفصیلات سے ہمیں ابھی تک اطمینان نہیں ہوا ہے اس لیے یہاں پیش نہیں کیا گیا۔

انھیں دیا تھا اس ہار کے دیکھنے کے بعد آنحضرتؐ پر بے انتہا تاثر اور عجیب رقت کا عالم طاری ہوگیا حضرت خدیجہؓ اور لختِ جگر حضرت زینبؓ کی یاد نے آپ کو بے حد متاثر کیا آپ چاہتے تھے کہ یہ ہار حضرت زینبؓ ہی کو واپس کردیں لیکن یہ چونکہ عام مسلمانوں کی ملکیت بن چکا تھا اس لیے آپ کو صحابہ سے اجازت لینی پڑی آپ نے صحابہ سے فرمایا اگر تم بہتر سمجھو تو ابو العاص کو فدیہ لیے بغیر رہا کردیا جائے اور یہ ہار زینبؓ کو واپس کردیا جائے۔ صحابہ بخوشی اس پر آمادہ ہوگئے اور ہار واپس کردیا گیا[1]

(۴) غزوۂ احد | غزوۂ احد کے موقع پر آنحضرتؐ کی پالیسی نے شوریٰ کی اہمیت اور اس کی قانونی حیثیت کو بے میل اور نکھار کر رکھ دیا ہے۔ جس وقت آنحضرت کو یہ اطلاع ملی کہ قریش کا [illegible] لشکر پورے جوشِ انتقام کے ساتھ مدینہ کی طرف رُخ کر رہا ہے تو آپؐ نے صحابہؓ سے مشورہ کیا اور آپ کی ذاتی رائے یہ تھی کہ مدینہ ہی میں رہ کر باہر سے حملہ آور دشمن کا مقابلہ کیا جائے چنانچہ اس کا تفصیلی نقشہ بھی آپ نے صحابہ کے روبرو پیش کیا تھا لیکن صحابہؓ کی اکثریت نے آپ کی رائے سے اتفاق نہیں کیا جس میں خصوصیت سے وہ لوگ جو کسی وجہ سے ثوابِ بدر سے محروم رہ گئے تھے بہت پیش پیش تھے، اور شوقِ جہاد اور باطل کی سرکوبی کے ولولہ میں بار بار کہتے تھے اگر ہم میدانِ جنگ میں تلوار کے ذریعہ دینِ حق کی حفاظت نہیں کرسکتے اور اپنے دشمن کا مقابلہ نہیں کرسکتے تو پھر کب کرسکیں گے؟ ہم اسی دن کے بدل وجان متمنی تھے اور خدا سے اس دن کے لیے التجا کرتے تھے پس جب یہ موقع ہاتھ آیا ہے تو اسے چھوڑا نہیں جاسکتا۔

حافظ ابن کثیر روایت نقل کرتے ہیں:

وَاَبٰى كَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ اِلَّا الْخُرُوْجَ اِلَى الْعَدُوِّ وَلَمْ يَتَنَاهَوْا اِلٰى قَوْلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَرَاْيِهٖ [2]

اکثریت مدینہ سے باہر نکل کر مقابلہ کرنے پر مصر تھی اور انھوں نے آنحضرتؐ کی رائے سے اتفاق نہیں کیا۔

جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جمہور کی رائے کو اپنی رائے کے خلاف پایا تو آپ نے اپنی رائے تبدیل

[1] سیرت ابن ہشام صفحہ ۴۶۵ [2] البدایۃ والنہایۃ ج ۳ صفحہ ۲۱۳ [3] البدایۃ والنہایۃ ج ۴ صفحہ ۱۲

فرمالی اور خارجِ مدینہ چل کر مقابلہ کرنے کا فیصلہ کرلیا اور گھر سے فوجی لباس میں نمودار ہوئے۔ اتنے میں بعض اربابِ فہم وبصیرت نے خیال کیا کہ شاید ہمارا یہ مشورہ مرضئ خداوندی کے خلاف پڑتا ہے اور اگر خدانخواستہ ایسی کوئی صورت ہو تو یہ ایک افسوسناک اور تباہ کن بات ہوگی۔ اس لیے آنحضرتؐ ہی کی رائے پر عمل کیا جائے۔

فَلَمَّا رَاٰى ذٰلِكَ رِجَالٌ مِّنْ ذَوِي الرَّاْيِ قَالُوْا اَمَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ اَنْ نَّمْكُثَ بِالْمَدِيْنَةِ وَهُوَ اَعْلَمُ بِاللّٰهِ وَمَا يُرِيْدُ وَمَا يَاْتِيْهِ الْوَحْيُ فَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اُمْكُثْ كَمَا اَمَرْتَنَا [1]

آنحضرت کے تیار ہوجانے کے بعد بعض اصحابِ رائے نے کہا کہ آنحضرتؐ نے مدینہ ہی میں رہ کر مقابلہ کرنے کا حکم دیا تھا ہم نے آپ کی رائے کے خلاف مشورہ دیا نہیں معلوم کہ ہمارا یہ مشورہ کسی حکم الٰہی کے خلاف پڑتا ہو اس لیے کہ آنحضرتؐ واللہ اور اس کے ارادوں سے زیادہ واقف ہیں، آپ کے پاس وحی آتی ہے آپ کی رائے وحی ہی پر مبنی ہوگی، چنانچہ انھوں نے کہا یارسول اللہ مدینہ ہی میں رہ کر مقابلہ کیا جائے جیسا کہ آپ کا حکم تھا۔

ظاہر ہے کہ صحابہ کی رائے میں یہ تبدیلی اس وجہ سے نہیں ہوئی کہ وہ مدینہ سے باہر چل کر مقابلہ کرنا منافئ حکمت ودانشمندی سمجھنے لگے تھے بلکہ اس تبدیلی کی واحد علت محض یہ اندیشہ تھا کہ کہیں یہ حکم بربنائے وحی نہ دیا گیا ہو، اسی وجہ سے آنحضرتؐ نے جواب دیا کہ نبی جب اپنا جنگی لباس پہن لیتا ہے تو جنگ کیے بغیر اسے نہیں اتارتا۔ یعنی وہ فیصلہ سے پہلے مشورہ کرتا ہے مشورہ کے بعد جب کسی نتیجہ پر پہنچ جاتا ہے تو محض غلط فہمیوں اور بے بنیاد باتوں پر اپنی رائے نہیں تبدیل کرتا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اگر مذکورہ بالا رائے محض اندیشہ کی بنیاد پر نہیں بلکہ جنگی مصالح کے تحت پیش کرتے تو جس طرح نبی کریمؐ نے اپنی پہلی رائے بدل دی تھی اسی طرح دوبارہ بھی بدل سکتے تھے۔

(۵) جنگِ خندق | خندق کی جنگ دراصل تمام قبائل عرب سے مقابلہ کے مترادف تھی اور اس میں مٹھی بھر مسلمانوں کے لیے رُو در رُو مقابلہ کوئی آسان کام نہیں تھا اس لیے حضرت سلمانؓ فارسی نے مدینہ کے اردگرد خندق کھودنے کا مشورہ دیا تاکہ مدینہ پر مشرکین کا یہ ٹڈی دل لشکر یلغار نہ کرسکے چنانچہ حضرت

[1] البدایۃ والنہایۃ ج ۴ صفحہ ۱۳، سیرت ابن ہشام صفحہ ۵۵۸۔

سلمانؓ کے مشورے کے مطابق مدینہ کے چاروں طرف خندق کھودی گئی ؎۱

باایں ہمہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ محسوس کیا کہ صحرائے عرب کی ہر جانب سے اٹھا ہوا یہ طوفان آسانی کے ساتھ فرو نہیں ہو سکتا تو آپ نے یہ مناسب سمجھا کہ اس جمعیت سے قبیلۂ غطفان کو توڑ لیا جائے چنانچہ آپؐ نے قبیلۂ غطفان کے سرداروں (عیینہ بن حصن اور حارث بن عوف) سے اس شرط پر صلح کرنی چاہی کہ ان کا قبیلہ مسلمانوں کی جنگ سے باز آ جائے اور مسلمان اس کے عوض سالانہ مدینہ کی آدھی فصل انھیں دے دیں گے۔ تکمیلِ صلح سے قبل آپؐ نے مشورہ ضروری سمجھا اور سعد بن معاذؓ اور سعد بن عبادہؓ سے رائے لی انھوں نے دریافت کیا کہ کیا یہ حکم منجانب اللہ ہے یا آپؐ نے اسے ہمارے حق میں بہتر سمجھ کر اختیار فرمایا ہے۔ آپؐ نے جواب دیا کہ میں اپنی رائے کو تمہارے حق میں بہتر سمجھتا ہوں کیونکہ اس وقت عرب کے تمام قبائل تمہیں ایک ہی تیر سے ہدف بنائے ہوئے ہیں اور تم پر درندوں کی طرح ہر طرف سے ٹوٹے پڑے جا رہے ہیں، اگر میری رائے کے مطابق قبیلۂ غطفان کو مشرکین سے توڑ لیں تو ان کا شیرازہ پارہ پارہ ہو سکتا ہے۔

یہ سن کر سعد بن معاذؓ نے جواب دیا کہ ایک وہ دور تھا جب ہم جہالت کی ظلمتوں میں ٹامک ٹوئیاں مارتے پھرتے تھے اور ہمارے پاس دینِ حق کی کوئی روشنی نہیں تھی اس کے باوجود یہ قبائل ہم سے ایک کھجور نہیں لے سکتے تھے اور آج جب کہ خدا نے ہمیں حق کی دولت سے نوازا ہے اور صداقتِ ایمان کی قوت عطا فرمائی ہے انھیں جزیہ دینے پر راضی ہو جائیں؟ ہمارے درمیان تلوار ہی فیصلہ کرے گی۔
نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جواب سن کر معاہدہ چاک کر دیا ؎۲

اس واقعہ کو علامہ ابن عبد البر المتوفی ۴۶۳ھ نے جن الفاظ کے ساتھ محفوظ کیا ہے ان سے ہماری پوری بحث کو خاص تقویت پہنچتی ہے۔

فَاَرْسَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلٰی سَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ وَسَعْدِ بْنِ عُبَادَةَ دُوْنَ سَائِرِ الْاَنْصَارِ

رسول اللہ نے اپنا قاصد تمام انصار کے بجائے صرف سعد بن معاذؓ اور سعد بن عبادہؓ کے پاس بھیجا کیونکہ یہ دونوں

؎۱ طبری ج ۳ صفحہ ۴۴ ۔ ؎۲ طبری ج ۳ صفحہ ۴۸، کتاب الخراج صفحہ ۲۲۶

لِاَنَّهُمَا كَانَا سَيِّدَا قَوْمِهِمَا كَانَ سَعْدٌ سَيِّدَ الْاَوْسِ وَسَعْدُ بْنُ عُبَادَةَ سَيِّدَ الْخَزْرَجِ فَشَاوَرَهُمَا فِيْ ذٰلِكَ فَقَالَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنْ كُنْتَ اُمِرْتَ بِشَيْءٍ فَافْعَلْهُ وَامْضِ لَهُ وَاِنْ كَانَ غَيْرَ ذٰلِكَ فَوَاللّٰهِ لَا نُعْطِيْهِمْ اِلَّا السَّيْفَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَمْ اُوْمَرْ بِشَيْءٍ لَوْ اُمِرْتُ بِشَيْءٍ مَا شَاوَرْتُكُمَا قَطُّ وَاِنَّمَا هُوَ رَاْيٌ اَعْرِضُهُ عَلَيْكُمَا فَقَالَا وَاللّٰهِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا طَمِعُوْا بِذٰلِكَ مِنَّا قَطُّ ؎۱

اپنے اپنے قبیلہ کے سردار تھے سعد بن معاذؓ اوس کے سردار تھے اور سعد بن عبادہؓ خزرج کے، آپ نے ان دونوں سے اس معاملہ میں مشورہ کیا اور ان دونوں نے کہا کہ یا رسول اللہ اگر آپ کو اس کا حکم دیا گیا ہے تو اس میں مشورہ کی کیا ضرورت ہے آپ کر گذریئے لیکن اگر یہ حکم نہیں ہے تو قسم بخدا ہم تلوار ہی سے ان کا فیصلہ کریں گے، آپ نے فرمایا مجھے اللہ نے اس معاملہ میں کوئی حکم نہیں دیا ہے اگر مجھے حکم ملا ہوتا تو تم سے مشورہ کیوں کرتا یہ تو میری ایک رائے ہے جسے میں تمہارے سامنے رکھ رہا ہوں تو ان دونوں نے جواب دیا واللہ یا رسول اللہ ان لوگوں نے کبھی بھی ہم سے اس قسم کے جزیہ کی توقع نہیں کی تھی۔

اس بیان سے یہ حقیقت بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ جب تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے من جانب اللہ کوئی حکم نہیں ہوتا آپ اپنی رائے کو رائے ہی کی حد تک رکھتے تھے انتظامی قسم کے معاملات میں آپ کی رائے کے خلاف کسی دوسری رائے کا اظہار نہ صرف جائز تھا بلکہ بسا اوقات ضروری خیال کیا جاتا تھا اور یہ کہ نبیؐ ایسے تمام معاملات میں اپنی انفرادی رائے کو بجبر مسلط نہیں فرماتے تھے۔

(۶) غزوۂ طائف قبیلہ ثقیف اپنی قوت و توانائی اور مستحکم قلعوں کی وجہ سے طائف کا ایک ممتاز قبیلہ تھا، شوال ۸ھ کو اسلامی فوج نے اس کا محاصرہ کیا، لیکن محارب قبیلہ نے میدان کارزار میں دو بدو نبرد آزما ہونے کے بجائے قلعہ بند ہو کر مقابلہ کرنا شروع کیا، اس لیے مسلمانوں کو کامیابی دشوار ہو گئی یہ کیفیت دیکھ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض لوگوں کے مشورہ سے محاصرہ ختم کر دینا چاہا اور اپنی رائے

؎۱ استیعاب لابن عبد البر تذکرۂ سعد بن عبادہ۔

صحابہ کے سامنے پیش کی، لیکن صحابہ اس پر آمادہ نہیں ہوئے اور عرض پرداز ہوئے کہ اس قدر سعی و کاوش کے بعد فتح و کامرانی کا علم بلند کیے بغیر واپسی نہ کی جائے، اکثریت کی رائے معلوم ہو جانے کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ حملہ کی اجازت دے دی چنانچہ دوسرے دن حملہ ہوا لیکن کل سے بھی خراب نتیجہ سامنے آیا اور اسلامی فوج کو بہت نقصان اٹھانا پڑا، یہ دیکھ کر نبی کریمؐ نے پھر اپنی رائے کا اعادہ فرمایا، چونکہ اب صحابہ کے روبرو نبیؐ کی دقیع رائے کے واضح نتائج روز روشن کی طرح کھل کر آگئے تھے اس لیے صحابہ نے بھی آپ کی ہمنوائی کی اور اسلامی فوج واپس ہوئی[1]

(۷) واقعۂ افک | مشہور واقعہ ہے کہ بعض منافقین نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر بہتان تراشا تھا جس کے ذریعہ ایک طرف آنحضرتؐ، حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عائشہؓ جیسی بے داغ اور پاکیزہ سیرتوں پر گندگی اچھالنے کی سعی کی جا رہی تھی اور دوسری طرف مسلم سوسائٹی کے بخیے ادھیڑنے کی فکر ہو رہی تھی۔ یہ ناپاک سعی اس قدر شدت کے ساتھ جاری تھی کہ اس کی لپیٹ میں بعض نیک و سادہ لوح مسلمان بھی آگئے۔ اندریں احوال اس مسئلہ کا ایک اجتماعی مسئلہ کی شکل اختیار کر لینا ناگزیر تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انفرادی رائے و مشورہ کے بعد انصار و مہاجرین سے دریافت کیا کہ ان نازک حالات میں کیا تدابیر اختیار کی جائیں لیکن پوری قوم اور خصوصیت سے انصار کی دو پارٹیوں اوس و خزرج میں اتفاق ہونے سے قبل آسمانی اشارہ نے اس عقدے کو حل کر دیا اور اجتماعی فیصلہ کی نوبت نہیں آئی[2]

دورِ رسالت کے یہ چند نمایاں اور معروف واقعات ہیں جن میں سے ہر ایک واقعہ کو آخری شکل قوم کی متفقہ رائے ہی سے دی گئی ہے بلکہ بسا اوقات نبی کریمؐ نے قوم کی رائے کے سامنے آجانے کے بعد اپنی رائے کو تبدیل بھی کر دیا ہے۔

دورِ خلفائے راشدین میں شوریٰ کا نظام | نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس مبارک اسوہ سے آگاہی کے بعد آیئے خلفائے راشدین کے تعامل کا بھی جائزہ لے دیکھیں کیونکہ ایک مسلمان نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دورِ مسعود

[1] بخاری، مسلم غزوۂ طائف، تفصیل ملاحظہ ہو زرقانی علی المواہب ج ۳ صفحہ ۲۸ تا صفحہ ۳۵

[2] صحیح بخاری کتاب التفسیر باب قولہ تعالیٰ لولا اذ سمعتموہ الخ

کے بعد اسی دور کو قابلِ تقلید اور نمونۂ عمل خیال کرتا ہے اور واقعہ بھی یہی ہے کہ قرآن و حدیث کی تعلیمات کی جو تشریح اس کے پہلے مخاطبین نے سمجھی اور ان حضرتؓ کے عمل کو آپ کے براہ راست تلامذہ نے جو اہمیت دی اور کتاب اللہ اور اس کے شارح کی ہدایات کی جو تعبیر کی وہی معتبر اور صحیح ہو سکتی ہے، اگر اس دور نے کسی طریقہ کو اہمیت دی ہے تو لامحالہ وہ دین کا قابلِ اتمام طریقہ قرار پائے گا، جس عمل کو اس نے وقیع اور باعظمت نہ سمجھا ہو یقیناً دین میں اس کی اہمیت فروتر قرار پائے گی۔ اسی روشنی میں نظامِ شوریٰ کا بھی مطالعہ کرنا پڑے گا۔

حَدَّثَنَا مَیْمُوْنُ بْنُ مِهْرَانَ قَالَ كَانَ اَبُوْبَكْرٍ اِذَا وَرَدَ عَلَيْهِ الْخَصْمُ نَظَرَ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ فَاِنْ وَجَدَ فِيْهِ مَا يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ قَضٰى بِهٖ وَاِنْ لَّمْ يَكُنْ فِي الْكِتَابِ وَعَلِمَ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ فِيْ ذٰلِكَ الْاَمْرِ سُنَّةً قَضٰى بِهٖ فَاِنْ اَعْيَاهُ خَرَجَ فَسَاَلَ الْمُسْلِمِيْنَ وَقَالَ اَتَانِيْ كَذَا وَكَذَا فَهَلْ عَلِمْتُمْ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ قَضٰى فِيْ ذٰلِكَ بِقَضَاءٍ فَرُبَّمَا اجْتَمَعَ اِلَيْهِ النَّفَرُ كُلُّهُمْ يَذْكُرُ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ فِيْهِ قَضَاءً فَيَقُوْلُ اَبُوْبَكْرٍ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ جَعَلَ فِيْنَا مَنْ يَّحْفَظُ عَلٰى نَبِيِّنَا فَاِنْ اَعْيَاهُ اَنْ يَّجِدَ فِيْهِ سُنَّةً مِّنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ جَمَعَ رُؤُوْسَاءَ النَّاسِ وَخِيَارَهُمْ فَاسْتَشَارَهُمْ فَاِذَا اجْتَمَعَ رَاْيُهُمْ عَلٰى اَمْرٍ قَضٰى بِهٖ وَكَانَ

میمون بن مہران کہتے ہیں کہ ابوبکرؓ کے پاس جب کوئی مقدمہ پیش ہوتا تو آپ پہلے کتاب اللہ میں اس کا حل تلاش کرتے، اگر وہاں اس کا حل مل جاتا تو اس کے مطابق فیصلہ فرماتے لیکن اگر کتاب اللہ میں کوئی حل نہ ملتا اور اس سلسلہ میں آپ کو کسی سنت کا علم ہوتا تو اس کے مطابق فیصلہ کرتے، اگر اس سلسلہ میں آپ کو کوئی ہدایت نہ معلوم ہوتی تو صحابہ سے کہتے کہ فلاں مسئلہ پیش آیا ہے کیا تمہارے علم میں اس سلسلہ میں خدا کے رسول کا کوئی فیصلہ ہے، بسا اوقات صحابہؓ کی ایک جماعت کی جماعت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی سنت بیان کرتی جس سے آپ خوش ہو کر فرماتے خدا کا شکر ہے کہ ہم میں اب تک رسول اللہ کی سنت کو یاد رکھنے والے موجود ہیں لیکن اگر آپ کو اس طریقے سے بھی کسی سنت کا علم نہ ہوتا تو قوم کے نمائندوں اور ان کے اخیار کو جمع کر کے مشورہ کرتے اور ان کی متفقہ رائے سے فیصلہ فرماتے، حضرت عمرؓ کی بھی یہی روش رہی حضرت عمرؓ جب کسی مسئلہ کا حل تلاش

عُمَرُ يَفْعَلُ ذَالِكَ فَإِذَا أَعْيَاهُ أَنْ يَجِدَ ذَالِكَ فِي الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ سَأَلَ هَلْ كَانَ أَبُوبَكْرٍ قَضٰى فِيهِ بِقَضَاءٍ فَإِنْ كَانَ لِأَبِي بَكْرٍ قَضَاءٌ قَضٰى بِهِ وَإِلَّا جَمَعَ عُلَمَاءَ النَّاسِ وَاسْتَشَارَهُمْ فَإِذَا اجْتَمَعَ رَأْيُهُمْ عَلٰى شَيْءٍ قَضٰى بِهِ [1]

وسنت میں نہ ملتا تو صحابہ سے حضرت ابوبکرؓ کا فیصلہ دریافت فرماتے اگر حضرت ابوبکرؓ کا فیصلہ مل جاتا تو اس کے مطابق فیصلہ کرتے ورنہ ارباب علم کو جمع کر کے ان سے مشورہ کرتے اور جب اہل علم کسی نتیجہ پر متفق ہو جاتے تو اس کے مطابق فیصلہ کرتے۔

•

یہ سردارانِ قوم اور خیارِ امت متعین اور مخصوص افراد تھے جن سے عوام واقف ہوتے تھے، ایسا نہیں تھا کہ خلیفہ جسے چاہتا طلب کر لیتا اور ان سے مشورہ کر کے حسب منشا فیصلہ کر دیتا ہو۔ علامہ رشید رضا مصری لکھتے ہیں :-

"خلفائے راشدین اور ان کے عادل جج، قوم کے سرداروں، دینی بصیرت رکھنے والوں اور اہل علم ورائے سے واقف تھے اور جانتے تھے کہ یہی اولوالامرؒ ہیں پس انھیں وہ ضرورت کے وقت طلب کر لیتے تھے[2]

تاریخ نے کسی حد تک ان ارباب علم اور سردارانِ قوم کے نام محفوظ رکھے ہیں جن پر ایک سرسری نگاہ ڈال کر ہم ان کی سیاسی پوزیشن متعین کر سکتے ہیں۔

قاسمؒ کہتے ہیں کہ "حضرت ابوبکرؓ کے سامنے کوئی ایسا اہم معاملہ پیش ہوتا جس میں اہل الرائے اور ارباب فقہ و بصیرت سے مشورہ کرنے کی ضرورت پڑتی تو مہاجرین و انصار کے منتخب لوگوں کو مدعو کرتے جن میں عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ، عبدالرحمن بن عوفؓ، معاذ بن جبل، ابی بن کعب اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہم جیسے لوگ شامل ہوتے یہ وہ لوگ تھے جو حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کے زمانہ میں مختلف مسائل میں مرجع انام سمجھے جاتے تھے، یہی طریقہ حضرت عمرؓ کا بھی رہا[3]

علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں کہ آں حضرتؐ کے دور میں حضرت ابوبکرؓ کی جو پوزیشن تھی وہی پوزیشن حضرت عمرؓ کو حضرت ابوبکرؓ کے زمانے میں حاصل تھی، حضرت عمرؓ کی خلافت میں حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ کو

[1] سنن دارمی صفحہ ۳۲، السنن الکبریٰ ج ۱۰ صفحہ ۱۱۵۔ اعلام الموقعین ج ۱ صفحہ ۵۱-۵۳ بحوالہ کتاب القضا رکابل عبید۔ [2] تفسیر المنار ج ۵ صفحہ ۱۵۸۔ [3] کنز العمال ج ۳ صفحہ ۱۳۴۔

یہی مقام حاصل تھا[1]

ابن سعد نے حضرت سعید بن المسیبؒ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ "حضرت عمرؓ کسی ایسے پیچیدہ مسئلہ سے پناہ مانگتے تھے جس میں حضرت علیؓ انھیں مشورہ دینے کے لیے شریک نہ ہو سکتے ہوں"[2]

آں حضرتؐ کے عم محترم حضرت عباسؓ کو زمانۂ اسلام اور قبل اسلام میں جو مقام حاصل رہا ہے وہ بالکل آشکارا ہے، اس سردارِ قوم کو فاروقی دور سیاست میں کیا مقام حاصل تھا اس کا اندازہ ایک تاریخی بیان سے کیجیے۔

وَكَانَ عُمَرُ إِذَا اسْتَشَارَ أَحَدًا لَا يُبْرِمُ أَمْرًا حَتّٰى يُشَاوِرَ الْعَبَّاسَ [3]

حضرت عمرؓ کسی سے مشورہ کرتے تو حضرت عباسؓ سے مشورہ کے بعد ہی اسے آخری شکل دیتے۔

حضرت عمرؓ کو جب کوئی پیچیدہ مسئلہ درپیش ہوتا تو عبداللہ بن عباسؓ سے فرماتے ابن عباس اس قسم کے مشکل مسائل کا حل کرنا تمہارا ہی حق ہے[4]

دورِ صحابہ کے مشہور عالم قرآن حضرت ابی بن کعبؓ کے تذکرہ میں علامہ حافظ ابن حجرؒ تحریر فرماتے ہیں:

وَكَانَ يَسْأَلُهُ عَنِ النَّوَازِلِ وَيُحَاكِمُ إِلَيْهِ فِي الْمُعْضِلَاتِ

یعنی حضرت عمرؓ ابی بن کعبؓ سے پیچیدہ مسائل کا حل دریافت فرماتے اور مشکلات میں انھیں حکم بناتے[5]

مالک بن اوس الحدثان البصری کہتے ہیں کہ میں حضرت عمرؓ کے زمانہ میں "عریف" یعنی اپنی قوم کا سردار تھا[6]

امام ابن تیمیہؒ حضرت عمرؓ کی سیاست کے سلسلہ میں فرماتے ہیں۔

فَإِنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ كَانَ كَثِيرَ الْمُشَاوَرَةِ فِيمَا لَمْ يَتَبَيَّنْ فِيهِ أَمْرُ اللّٰهِ وَرَسُولِهِ ﷺ

جن معاملات میں اللہ اور اس کے رسول کا حکم واضح نہیں ہوتا ان میں حضرت عمرؓ بہت زیادہ مشورہ کرتے تھے[7]

مصر کے جدید مشہور مورخ محمد حسین ہیکل اور واضح الفاظ میں تصریح کرتے ہیں۔

وَجَعَلَ الشُّوْرٰى أَسَاسَ حُكْمِهِ [8]

حضرت عمرؓ نے اپنی سیاست کی بنیاد شوریٰ پر قائم کی تھی۔

امام شعبیؒ نے اسی حقیقت کو ان الفاظ میں ظاہر کیا ہے :-

"جس شخص کو مسائل میں قولِ محکم کی خواہش ہو اسے حضرت عمرؓ کے فیصلوں کو اختیار کرنا چاہیے کیونکہ آپ

[1] مقدمہ ابن خلدون صفحہ ۲۱۰۔ [2] فتح الباری ج ۱۳ صفحہ ۲۹۳۔ [3] البدایہ والنہایہ ج ۷ صفحہ ۱۰۰۔ [4] اعلام الموقعین ج ۱ صفحہ ۱۸۔ [5] الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ ج ۱ صفحہ ۱۹۔ [6] کنز العمال ج ۳ صفحہ ۱۴۳۔ [7] منہاج السنۃ ج ۳ صفحہ ۱۴۲-۱۴۳۔ [8] الفاروق عمر صفحہ ۳۵/۲۵۔

صحابہ کے مشورہ سے فیصلہ فرماتے تھے۔[1]

حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کی اجتماعی پالیسی کو ہم نے قدرے تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اس دور میں اسلامی روح پوری طرح جلوہ گر تھی اور اس کی تابانیوں سے سارا عالم جگمگا رہا تھا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: اِقْتَدُوْا بِالَّذَيْنِ مِنْ بَعْدِيْ اَبِيْ بَكْرٍ وَعُمَرَ (مسند احمد) میرے بعد ابوبکر و عمر کی اقتدا کرو۔

سید امیر علی پورے دورِ خلفائے راشدین پر ان الفاظ میں تبصرہ کرتے ہیں:-

"خلیفہ ملکی معاملات کو مدینہ کے سربراہ کار، اکابر صحابہ اور رؤسائے قبائل کی مجلس میں پیش کرتا جو کہ مسجد نبوی میں منعقد ہوتی تھی خلیفہ اس مجلس سے مشورہ کیے بغیر کوئی فیصلہ نہیں کرتا تھا اسلام کا ابتدائی تیس سالہ نظام حکومت آج کل کے جمہوری نظام سے قریب تر تھا"[2]

خلفائے راشدین کے بعد اسلامی سلطنت آمریت کا قالب اختیار کر چکی تھی لیکن نصف صدی بعد حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے نظم مملکت کو جاہلیت کی آلائشوں سے نکھار کر اسلامی نقاط پر استوار کیا تھا، اس مجدد خلافت کے متعلق مغیرہؒ کہتے ہیں:-

كَانَ لِعُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيْزِ سُمَّارٌ يَسْتَشِيْرُهُمْ فِيْمَا يُرْفَعُ اِلَيْهِ مِنْ اُمُوْرِ النَّاسِ[3]

حضرت عمر بن عبدالعزیز کے کچھ مشیر تھے جن سے آپ لوگوں کے پیش کردہ معاملات میں مشورہ کرتے۔

ان واضح تصریحات و بیانات کے بعد آئیے تاریخ کے اوراق میں ان کی شہادتیں تلاش کی جائیں اور واقعات کی دنیا میں ان کا وزن دریافت کیا جائے۔

انتخاب امیر ان واقعات میں صدر مملکت کے انتخاب کو اساسی اہمیت حاصل ہے کیونکہ صدر مملکت کا انتخاب کسی نظام کی پالیسی کا صحیح صحیح پتہ دیتا ہے اور اس کی مدد سے اس امر کا سراغ لگایا جاسکتا ہے کہ یہاں آمریت کی کارفرمائی ہے یا عوام کی آزادی اور حریت فیصلہ کن حیثیت رکھتی ہے، اگر کسی نظام

[1] السنن الکبریٰ ج ۸، صفحہ ۱۰۹ ، [2] تاریخ الاسلام السیاسی ج ۱ صفحہ ۔۔۔ تالیف ڈاکٹر ابراہیم حسن [3] السنن الکبریٰ ج ۸ صفحہ ۱۱۲

میں صدر مملکت عوام اور ان کے نمائندوں کے ذریعہ اپنے منصب پر پہنچتا ہے تو یہ جمہوریت اور عوام کی آزادی کی تابناک دلیل ہے اور اس امر کی ضمانت ہے کہ اصل طاقت جمہور کے ہاتھ میں ہے، وہ جب کسی کو اپنا خیرخواہ اور اپنے اغراض و مقاصد کی تکمیل کی صلاحیت رکھنے والا پائیں گے تو اپنا امیر اور حاکم منتخب کرلیں گے اور جس دن انھیں اس امر کا یقین ہو جائے گا کہ ہمارا حاکم ہمارے اغراض و مقاصد کی تکمیل سے قاصر ہے تو وہ اپنے عطا کردہ اختیارات اس سے سلب کرلیں گے۔

لیکن اگر کوئی نظام اپنے امراء و احکام کو عوام کی رضا و عدم رضا سے بے نیاز ہو کر، اقتدار کی کرسی پر بٹھا دیتا ہے اور کسی خاص شخص کی مرضی قانون کی حیثیت رکھتی ہے تو سمجھنا چاہیے کہ وہاں سے جمہوریت کا جنازہ نکال دیا گیا ہے۔

علامہ ابن خلدون صدر مملکت کے انتخاب کے سلسلہ میں اہل سنت والجماعت کی ترجمانی اس طرح کرتے ہیں:-

"خلیفہ کا انتخاب صحابہ کے اجماع سے ثابت ہے اور اس کا اختیار قوم کے اہل حل و عقد کو ہے، اگر اہل حل و عقد کسی کو امیر منتخب کرلیں تو جمہور پر اس کی اطاعت لازم ہو جاتی ہے"[1]

اہل حل و عقد کے کرنے کا کیا کام ہے؟ اور وہ کیسے شخص کو خلیفہ مقرر کریں گے؟ اس کی تصریح علامہ ماوردی نے اس طرح کی ہے جو اس سے پہلے نقل کی جا چکی ہے لیکن دوبارہ اس پر ایک نظر ڈال لیجیے:

فَاِذَا اجْتَمَعَ اَهْلُ الْعَقْدِ وَالْحَلِّ لِلْاِخْتِيَارِ تَصَفَّحُوْا اَحْوَالَ اَهْلِ الْاِمَامَةِ الْمَوْجُوْدَةِ فِيْهِمْ شُرُوْطُهَا فَقَدَّمُوْا لِلْبَيْعَةِ مِنْهُمْ اَكْثَرَهُمْ فَضْلًا وَاَكْمَلَهُمْ شُرُوْطًا وَمَنْ يُسْرِعُ النَّاسُ اِلٰى طَاعَتِهٖ وَلَا يَتَوَقَّفُوْنَ عَنْ بَيْعَتِهٖ فَاِذَا تَعَيَّنَ لَهُمْ

جب اہل حل و عقد امیر کے انتخاب کے لیے جمع ہوں گے تو ان اشخاص کے حالات پر غور کریں گے جن میں امامت کی شرطیں پائی جاتی ہیں اور وہ بیعت کے لیے اس شخص کو آگے بڑھائیں گے جو ان میں سب سے افضل ہو اور جس میں امامت کی شرائط بدرجۂ اتم پائی جاتی ہوں اور یہ کہ لوگ کسی کی طرف تیز گامی دکھائیں گے اور اس کی بیعت کے لیے

[1] مقدمہ ابن خلدون صفحہ ۱۶۷، فصل فی اختلاف الامۃ فی حکم ہذا المنصب تنبیہ کے نزدیک خلیفہ کا تقرر صحابہ کے اجماع سے نہیں بلکہ نص سے ثابت ہے۔

مِنْ بَيْنِ الْجَمَاعَةِ مَنْ اَدَّاهُمْ الْاِجْتِهَادُ اِلَى الْاِخْتِيَارِ عَرَضُوْهَا عَلَيْهِ فَاِنْ اَجَابَ اِلَيْهَا بَايَعُوْهُ عَلَيْهَا وَانْعَقَدَتْ بَيْعَتُهُمْ لَهُ فَلَزِمَ كَافَّةَ الْاُمَّةِ الدُّخُوْلُ فِيْ بَيْعَتِهِ وَالْاِنْقِيَادُ لِطَاعَتِهِ [1]

پیش و پیش نہیں کریں گے۔ اور جب ان کی تحقیق و اجتہاد ان میں سے کسی ایک کو چن لے تو منصب امامت اس شخص کے سامنے پیش کریں گے اور اگر وہ اسے قبول کرلے تو وہ سب اس کے ہاتھ پر بیعت کریں گے اور ان کی بیعت اس شخص کے لیے منعقد ہوجائے گی اور ساری امت کو اس بیعت میں داخل کرنا اور اس کی اطاعت قبول کرنا لازم ہوجائے گا۔

•

اسی روشنی میں ہم خلفائے راشدین کے انتخاب کی تفصیل پیش کرتے ہیں۔

خلفائے راشدین کے انتخاب کے سلسلہ میں اتنی بات تو اسلامی تاریخ کا ہر طالب علم جانتا ہے کہ ان میں سے کسی کا بھی انتخاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا[2] اور نہ اس انتخاب میں قرابت رسول اور خاندانی تعلق کو کوئی دخل تھا۔

حضرت ابوبکرؓ کا انتخاب آں حضرتؐ کے انتقال کے بعد انصار مدینہ کو اپنی دینی خدمات اور قربانیوں کے تحت خیال ہوا کہ ہم ہی میں سے خلیفہ ہونا چاہیے اور یہ خیال بالکل فطری تھا اس لیے کہ کسی زندہ تحریک کی وہی لوگ قیادت کرتے ہیں جو اپنی فداکاریوں اور جاں نثاریوں سے تحریک کے ماننے والوں میں کسی بلند مقام کے مالک ہوتے ہیں۔

اس وقت قدرتی طور پر انصار کی نگاہیں اپنے سردار سعد بن عبادہؓ کی طرف اٹھیں اور وہ ان کے ہاتھ پر بیعت کے لیے آمادہ ہوگئے، اندریں اثنا اس کی اطلاع مہاجرین کے نمائندوں کو مل گئی جو حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ اور ابوعبیدہؓ نمایاں مقام رکھتے ہیں فوراً یہ اکابر امت سقیفۂ بنی ساعدہ (جہاں انصار سعد بن عبادہ کے ہاتھ پر بیعت کے لیے مجتمع تھے) پہنچے اور انھوں نے ملک کے سیاسی حالات کو انصار کے روبرو واضح کیا حضرت ابوبکرؓ نے اس موقع پر انصار سے خطاب کرکے جو تقریر کی

[1] الاحکام السلطانیہ صفحہ ۵، [2] صحیح بخاری کتاب المغازی باب مرض النبیؐ ووفاتہ

اس کے چند جملے یہ ہیں:—

مَا ذَكَرْتُمْ فِيْكُمْ مِنْ خَيْرٍ فَاَنْتُمْ لَهُ اَهْلٌ وَلَنْ تُعْرَفَ هٰذَا الْاَمْرُ اِلَّا لِهٰذَا الْحَيِّ مِنْ قُرَيْشٍ [1]

جو کچھ تم نے اپنی خیر و خوبی کا ذکر کیا یقیناً تم لوگ اس کے مستحق ہو لیکن اہل عرب سوائے قریش کی قیادت کے کسی اور کی قیادت سے واقف نہیں ہیں اس لیے وہ کسی دوسرے قبیلہ کی سرداری پر مطمئن نہیں ہوسکتے۔

اس کے بعد آپ نے حضرت عمرؓ اور ابوعبیدہؓ کا نام پیش کیا۔

حضرت ابوبکرؓ کی اس تقریر سے انصار کے زیرک اصحاب کی آنکھیں کھل گئیں اور وہ حضرت ابوبکرؓ کی ہمنوائی کرنے لگے چنانچہ اس گروہ کے مشہور صحابی حضرت زید بن ثابتؓ نے خطاب کیا "کہ کیا تم لوگوں کو معلوم نہیں کہ رسول اکرم مہاجرین میں سے تھے، لہٰذا مہاجرین کی قیادت سے عرب مطمئن ہوسکتے ہیں اس لیے خلیفہ کسی مہاجر ہی کو ہونا چاہیے جس طرح آج سے پہلے ہم آں حضرتؐ کے مددگار و معاون رہے اسی طرح خلیفۂ رسول کے بھی دست و بازو بنے رہیں گے[2]

اسی موقع پر حضرت عمرؓ نے بھی حضرت ابوبکرؓ کی فضیلت اور آپ کے دینی شرف و مزیت کا تذکرہ کیا اور کہا کہ یہ وہ شخص ہے جسے آں حضرتؐ نے نماز جیسی اہم چیز کی امامت کے لیے آگے بڑھایا تھا پس کیا جس شخص کو نبیؐ نے مقدم کیا تھا اس سے بھی پیش قدمی کی تم میں سے کسی کو خواہش ہے؟ یہ سن کر انصار بیک آواز بول اٹھے۔ ابوبکرؓ سے آگے بڑھنے سے ہم پناہ مانگتے ہیں[3]

چنانچہ اس کے بعد انصار و مہاجرین کے جتنے نمائندے وہاں موجود تھے آگے بڑھ کر سب حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کرنے لگے دوسرے دن حضرت ابوبکرؓ مسجد نبوی میں تشریف لے آئے اور حضرت عمرؓ نے مجمع عام میں آپ کی دینی خدمات کا ذکر جمیل کیا جس کے بعد بقیہ تمام مہاجرین و انصار نے بھی بیعت کی اس طرح بیعت عمومی تکمیل پائی[4]

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ نے اس خیال سے کہ خلیفہ کے انتخاب میں ان سے مشورہ نہیں کیا گیا کئی ماہ تک بیعت نہیں کی تھی، لیکن اس کے خلاف بھی بہت سی روایات ملتی ہیں۔

[1] صحیح بخاری باب رجم الحبلیٰ من الزنیٰ اذا احصنت۔ [2] مستدرک حاکم ج ۳ صفحہ ۷۶۔ تاریخ الخلفاء صفحہ ۴۸ بحوالہ ابن سعد، بیہقی [3] مسند احمد حدیث نمبر ۱۳۳۔ تاریخ الخلفاء صفحہ ۴۸ بحوالہ نسائی، ابویعلیٰ، حاکم [4] صحیح بخاری کتاب الاحکام

جو حقیقتِ حال سے زیادہ مطابقت رکھتی ہیں چنانچہ حاکم، ابن سعدؔ اور بیہقی نے بیان کیا ہے کہ بیعت کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے جس وقت خطبہ دیا تو دیکھا کہ حضرت زبیرؓ اور حضرت علیؓ نظر نہیں آرہے۔ آپ نے دونوں بزرگوں کو بلوایا اور کہا کہ آپ لوگ رسول خدا کے رشتہ دار ہیں، کیا آپ حضرات کی یہ خواہش ہے کہ امت میں افتراق و انتشار پیدا ہو؟ ایسا نہیں ہے تو تم لوگوں نے بیعت کیوں نہیں کی؟ یہ سن کر دونوں حضرات نے پیش قدمی کی اور آپ کے ہاتھ پر بیعت کی[۱]۔ یہی نہیں بلکہ متعدد روایات اس امر کی شہادت دیتی ہیں کہ حضرت ابوسفیانؓ اور دوسرے بعض لوگوں نے حضرت علیؓ کو بیعت سے باز رکھنے کی سعی کی تھی لیکن حضرت علیؓ نے ابوسفیانؓ کو ڈانٹ دیا اور کہا کہ اس قسم کی باتیں امّت کے افتراق کا ذریعہ بن سکتی ہیں[۲]۔ ابن سعدؔ نے حضرت علیؓ کا اس سے واضح بیان نقل کیا ہے۔ قَالَ عَلِیٌّ لَمَّا قُبِضَ النَّبِیُّ نَظَرْنَا فِی اَمْرِنَا فَوَجَدْنَا النَّبِیَّ قَدْ قَدَّمَ اَبَابَکْرٍ فِی الصَّلٰوۃِ فَرَضِیْنَا لِدُنْیَانَا مَنْ رَضِیَ رَسُوْلُ اللّٰہِ لِدِیْنِنَا فَقَدَّمْنَا اَبَابَکْرٍ[۳]

عمرو بن حریث نے حضرت سعید بن زیدؓ سے دریافت کیا کہ کسی نے حضرت ابوبکرؓ کی بیعت سے انحراف کیا تھا؟ حضرت سعید نے جواب دیا کسی نے انحراف نہیں کیا۔ ہاں وہ لوگ الگ رہے جو مرتد ہو گئے تھے یا مرتد ہونے کے قریب تھے۔ عمرو بن حریث نے دوبارہ دریافت کیا کہ کیا مہاجرین میں سے کسی نے بیعت سے انکار کیا تھا، جواب دیا نہیں بلکہ مہاجرین تو بلائے بغیر مسلسل ان کے ہاتھ پر بیعت کرنے لگے تھے[۴]۔

تاریخ میں صرف سعد بن عبادہؓ کا ایک ایسا نام ملتا ہے جنھوں نے اپنی وفات تک کسی خلیفہ کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی تھی حتیٰ کہ عام مسلمانوں کے ساتھ مسجد میں نماز تک نہیں پڑھتے تھے۔ نظم جماعت کی پابندی پر طاقت کے ذریعہ انھیں مجبور کرنا خلاف مصلحت تھا اس لیے انھیں ان کے حال پر رہنے دیا گیا[۵]

(باقی)

[۱] تاریخ الخلفاء ص۶۷۔ [۲] منہاج السنۃ ج ۱ ص۱۳۴۔ [۳] طبقات ابن سعد ج ۳ ص۱۳۰۔ [۴] تاریخ طبری ج ۳ ص۲۰۱ [۵] الامامۃ والسیاسۃ ج ۱ ص۱۰۔

سفرِ حج

امین احسن اصلاحی

جدّہ میں

صبح بہت سویرے ہی سے میری نگاہوں نے جدّہ کے ساحل کو ٹٹولنا شروع کر دیا لیکن یہ محض شوق کی جلد بازی اور بے صبری تھی۔ ساحلِ جدّہ کے آثار کہیں نمازِ فجر کے بعد ظاہر ہونے شروع ہوئے۔ تلبیہ اور مسنون دعاؤں کے ساتھ ہماری نگاہوں نے ان سے معانقہ کیا، اور ہم ایک ایک چیز کو محبت و عقیدت کی نگاہوں سے دیکھنے کے لیے جہاز کے عرشہ پر کھڑے ہو گئے۔

اس دوران میں یہ اعلان برابر ہوتا رہا کہ مسافر اپنے اپنے سامان جہاز پر چھوڑ کر صرف اپنے اپنے پاسپورٹ ہاتھوں میں لیے ہوئے اتریں، سامان قلی اتاریں گے اور ان کو کوئی اُجرت نہیں دینی ہوگی۔ ہمارے وقت سے آٹھ بجتے بجتے جہاز ساحل پر لنگر انداز ہو گیا۔ سیڑھیاں لگ گئیں پہلے قلیوں کے ہجوم نے جہاز کے اندر ہمارا استقبال کیا، جو زیادہ تر یمنی معلوم ہوتے تھے۔ انھوں نے نہایت بگڑی ہوئی عربی زبان میں سامان اتارنے کے لیے مول بھاؤ شروع کر دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ قلیوں کے بے دام ہونے کی بات جس طرح کراچی میں جھوٹی تھی، اس سے زیادہ جدّہ میں جھوٹی ہے۔ قلیوں کی قوم کراچی اور جدّہ دونوں جگہ ایک ہی ملّت سے تعلق رکھتی ہے۔

ان قلیوں نے سارے جہاز کا سامان ایک جگہ جمع کر کے کرینوں کے ذریعہ سے ٹرکوں میں بھرنا شروع کر دیا، اور یہ ٹرک کسٹم کو روانہ ہونے لگے۔ اسی طرح مسافروں کو بسوں میں بھر بھر کے کسٹم کے لیے روانہ کیا جانے لگا۔ مسافروں کو بسوں میں سوار کرانے کا جو طریقہ تھا وہ مجھے پسند آیا۔ یکے بعد دیگرے ایک لاری جہاز کے زینہ کے پاس آ کھڑی ہو جاتی اور جب وہ حدِ مقرر تک بھر جاتی تو روانہ ہو جاتی اور فوراً ہی دوسری اس کی جگہ لے لیتی۔ لیکن اس اثنا میں سامانوں کے مسئلہ پر بار بار غور کرتا رہا کہ

ہزار ڈیڑھ ہزار مسافروں کا جو سامان ایک ساتھ ملا کر نہایت بے دردی کے ساتھ ٹرکوں میں بھر دیا گیا ہے وہ کسٹم میں لوگوں کو الگ الگ کس طرح مل سکے گا؟ لیکن حکومت کے اس انتظام میں میرے بالکل کے دخل دینے کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ میں چپ چاپ کچھ دیر تک یہ تماشا دیکھتا رہا۔ جب بس میں میرے سوار ہونے کی باری آئی تو میں بھی ایک بس میں بیٹھ کر کسٹم کے لیے روانہ ہو گیا۔ کراچی میں کسٹم کا جو تماشا میں نے دیکھا تھا اس کے سبب سے مجھے یہاں پریشان ہونا چاہیے تھا لیکن جب آدمی ایک مرتبہ یہ بات ذہن میں اچھی طرح بٹھا لے کہ اس راہ کی ساری تکلیفیں اور پریشانیاں بھی داخل عبادت ہیں تو پھر دل بہت مطمئن ہو جاتا ہے۔ نہ آدمی کو سامان کی کچھ فکر رہ جاتی ہے، نہ جان کی۔

جدہ کے کسٹم میں

جدہ کے کسٹم میں داخل ہونے سے پہلے ہمارا پاسپورٹ دیکھا گیا اور اس پر اسی طرح کی کارروائی عمل میں لائی گئی جس طرح کی کارروائی کراچی میں عمل میں لائی گئی تھی لیکن سارا کام ایسی تیزی اور مستعدی سے ہو رہا تھا کہ کوئی زحمت محسوس نہیں ہوئی۔ دو قدم آگے بڑھے تو معلّم کا نام پوچھا گیا۔ معلم کا نام بتاتے ہی ہمارے پاسپورٹ، ہمارے معلم کے ایجنٹ کے حوالے کر دیے گئے۔ اس کے بعد ہم اپنے سامان کے پاس پہنچا دیے گئے۔

مجھے خیال تھا کہ ہمیں اپنا سامان کم و بیش ڈیڑھ ہزار آدمیوں کے سامان کے اندر سے چھانٹنا پڑے گا لیکن یہ دیکھ کر میری حیرت کی کوئی حد نہیں رہی کہ ہمارا بیشتر سامان ایک ہی جگہ رکھا ہوا ملا۔ جائزہ سے صرف بعض چیزیں غائب معلوم ہوئیں لیکن رفقا نے تھوڑی سی جدوجہد سے وہ بھی دوسروں کے سامانوں سے برآمد کر لیں۔ اس کے بعد کسٹم والوں نے سامان کی تفتیش شروع کی لیکن یہ تفتیش محض رسمی تھی۔ اس میں کراچی والوں کی طرح ہراساں کرنے اور رشوتیں اینٹھنے کی کوئی خواہش کارفرما نظر نہیں آتی تھی۔ مجھے محسوس ہوا کہ ان لوگوں کو اگر کسی چیز سے دلچسپی ہے تو وہ صرف لٹریچر سے ہے۔ میرے پاس قرآن مجید اور حج سے متعلق چند رسالوں کے سوا اور کوئی چیز بھی نہیں تھی۔ مجھ سے انھوں نے پوچھا کہ آپکے پاس کوئی چیز ہے؟ میں نے عرض کیا کہ قرآن کے سوا اور کوئی چیز نہیں ہے اور یہ آپ کو معلوم ہے کہ یہ چیز مجھے یہیں سے ملی ہے۔ اس جواب کے بعد انھیں میرے سامان سے کوئی دلچسپی نہیں رہی لیکن ہمارے رفیق حکیم عبدالرحیم اشرف صاحب اپنے بکس میں لٹریچر کی قسم کی بہت سی چیزیں الم غلم بھر کے لے گئے تھے اس وجہ سے وہ بڑی دیر تک کسٹم والوں کے نرغے میں رہے۔ بالآخر یہ لوگ ان کے رسالہ "المنبر" کے سارے پرچے اٹھا کر لے گئے۔

اور واپسی تک بہت سی لکھا پڑھی کے باوجود واپس نہیں کیے۔

ان لوگوں کے لیے عربی کے سوا دوسری زبانوں سے ناواقفیت بڑی زحمت کا سبب ہے۔ لٹریچر کے معاملہ میں یہ لوگ نہایت شکی بلکہ وہمی واقع ہوئے ہیں۔ اس وجہ سے یہ ہر اخبار، ہر رسالہ اور ہر کتاب سے ڈرتے ہیں کہ معلوم نہیں اس میں ملوکیت کے خلاف کیا مواد بھرا ہوا ہو۔ اپنے اس وہم میں بسا اوقات یہ "ترمذی کی شرح" اور "قرآن کی کسی تفسیر" کو بھی باغیانہ لٹریچر سمجھ کر روک لیتے ہیں اور چونکہ ان چیزوں کو پڑھ کر ان کے بارے میں رائے قائم کرنا مشکل ہوتا ہے اس وجہ سے بعض اوقات واپس کرنے کی زحمت نہیں اٹھاتے۔ بعض دوستوں نے ان کے اس محکمۂ احتساب کی نہایت دلچسپ حکایتیں سنائیں جن کو سن کر آدمی اپنی ہنسی ضبط نہیں کر سکتا۔ لیکن سعودی حکومت کو ابھی ان چیزوں سے نیا نیا سابقہ پیش آیا ہے۔ اس وجہ سے یہ خامیاں ناگزیر ہیں۔ اب آہستہ آہستہ وہاں ہر چیز ترقی کر رہی ہے۔ توقع ہے کہ بہت جلد ساری چیزیں معیار پر آ جائیں گی۔ اگرچہ اس کا لازمی نتیجہ یہ بھی نکلے گا کہ ہر شعبہ میں دفتریت کی تمام خصوصیات بھی داخل ہو جائیں گی جن سے سعودی حکومت ابھی تک خدا کے فضل سے محفوظ رہی ہے۔

ہمارا سارا سامان اسی طرح پھر ٹرکوں میں بھرا گیا جس طرح جہاز سے اتارتے وقت بھرا گیا تھا اور ہم بھی اسی طرح بسوں میں لادے گئے جس طرح جہاز سے اترتے وقت لادے گئے تھے اور وہاں سے جدہ کے مدینۃ الحجاج میں پہنچا دیے گئے۔ یہاں پہنچ کر پھر اپنے سامان کو ہزار ڈیڑھ ہزار آدمیوں کے سامان سے علیحدہ کرنا تھا اگرچہ اس میں زحمت تو ہوئی لیکن سارا سامان مل گیا۔ سامان کے منتقل کرنے کا یہ طریقہ سہل اور سیدھا سادا تو ضرور ہے لیکن یہ ان لوگوں کے لیے خاصا پریشان کن ہے جو بیچارے تنہا سفر کر رہے ہوں۔ انھیں اپنا سامان ڈھونڈنے کے لیے کافی دوڑ دھوپ کرنی پڑتی ہے۔ خود میری کئی چیزیں بڑی دیر تک گم رہیں جو رفقا نے بڑی محنتوں سے مدینۃ الحجاج کے مختلف کمروں سے برآمد کیں۔ اگر میں تنہا ہوتا تو میں تو ہمت ہار بیٹھتا۔ یہاں آکر معلوم ہوا کہ اپنے ہر سامان پر چوب قلم سے اپنے معلم کا نام لکھوا دینا کتنا ضروری ہے۔ اس کے بغیر سامان کا ڈھونڈنا اور اس کا ملنا تقریباً ناممکن ہے۔

میں اس موقع پر اس انجمن کے ارکان کی تعریف کیے بغیر نہیں رہ سکتا جو حجاج کی خدمت کے لیے

قائم ہے۔ یہ لوگ حجاج کو جہاز سے اتارنے اور ان کے سامان کو منتقل کرانے میں مدد کرتے ہیں۔ جدہ کے کسٹم سے نکلتے وقت ہمارا بڑا بڑا سامان تو قلیوں نے ٹرکوں میں بھر دیا لیکن کچھ چھوٹی چھوٹی چیزیں ایسی بھی تھیں جن کا ٹرکوں میں بھرنا خطرہ سے خالی نہ تھا۔ یہ چیزیں میں نے بس میں اپنے ساتھ رکھنی چاہیں لیکن یہ مختلف رفیقوں کی مل ملا کر تعداد میں اتنی ہو گئی تھیں کہ میں اور میری بیوی اپنے چار ہاتھوں میں ان کو کسی طرح بھی نہیں اُٹھا سکتے تھے۔ رفقاء المنبر کے پرچوں کے سبب سے کسٹم والوں سے اُلجھے ہوئے تھے۔ میں حیران کھڑا تھا کہ کیا کروں، اتنے میں ایک بزرگ چند قلیوں کے ساتھ آئے اور انھوں نے مجھے ہڑبڑایا کہ جلدی سے بس میں سوار ہو جاؤ۔ میں نے کہا کہ کس طرح سوار ہو جاؤں۔ میرے ساتھ متعدد چھوٹی چھوٹی چیزیں ہیں اور میرے ساتھی غائب ہیں۔ میں نے تو ان کو جواب عربی میں دیا لیکن وہ اردو میں بولے: "بابا! آپ چلو، یہ سامان ہم اپنے سر پر لائیں گے۔" ان کی یہ بات سن کر میں ایک متہورانہ ذہنیت کے ساتھ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر بس میں سوار ہو گیا۔ میں مدینۃ الحجاج پہنچ کر ایک دیوار کے سایہ میں ابھی کھڑا ہی ہوا تھا کہ دیکھا کہ وہ بزرگ میری چیزیں لیے ہوئے کچھ خود اٹھائے ہوئے اور کچھ ان کے دوسرے ہمراہی اٹھائے ہوئے چلے آ رہے ہیں۔ مجھے دیکھتے ہی بولے کہ اچھا ہوا تم سامنے ہی مل گئے، تلاش کرنے کی زحمت نہیں اٹھانی پڑی اور پھر ساری چیزیں میرے حوالے کر دیں۔

مدینۃ الحجاج جدہ میں سعودی حکومت نے حجاج کے لیے جو مسافر خانہ بنوایا ہے اس کا نام مدینۃ الحجاج ہے اور یہ مسافر خانہ بجا طور پر اس نام کا مستحق ہے۔ کراچی کے حاجی کیمپ کی تکلیفیں جھیل کر جو پاکستانی جدہ کے مدینۃ الحجاج میں اترتا ہے وہ اپنے دل میں سخت شرمندہ ہوتا ہے کہ ہماری حکومت دنیا کی سب سے بڑی اسلامی حکومت ہونے کے باوجود حجاج کے لیے وہ انتظام نہ کر سکی جو سعودی حکومت نے کر رکھا ہے۔ یہ مسافر خانہ اتنا وسیع ہے کہ اس میں بیک وقت ہزاروں حاجی ٹھہر سکتے ہیں۔ اس کے کمرے نہایت کشادہ اور ہوادار ہیں۔ ہر کمرے میں بجلی کے پنکھے ہیں جو جدہ کی شدید گرمی میں بھی کمروں کو ٹھنڈا رکھتے ہیں۔ پانی اس میں اس قدر مہیا کیا گیا ہے کہ اس کے پانی کے انتظام کو دیکھ کر گمان بھی نہیں ہوتا کہ ہم ایک ایسے علاقے میں اُترے ہیں جہاں پانی کی کمی ہے۔ بیت الخلاؤں کی قطار کی قطار ہے۔ حاجی حضرات اپنے سوء استعمال سے ان کو گندا کرنے اور ناقابل استعمال بنا دینے

میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے لیکن محکمہ صفائی ان کو صاف رکھنے کا پورا اہتمام کرتا ہے۔ حالانکہ حجاز میں بھنگیوں یا مہتروں کا کوئی وجود نہیں ہے۔

اس کیمپ کے وسیع صحن میں ایک بارونق بازار بھی ہے جس میں ضرورت کی ساری چیزیں ملتی ہیں۔ ہم اس مسافر خانہ میں چند گھنٹے ٹھہرے۔ اس کی صاف ستھری مسجد میں ظہر، عصر اور مغرب کی نمازیں پڑھیں۔ اسی کے ایک ہوٹل سے کھانا منگوایا گیا اور ہمارے لیے یہ یہاں کے کسی ہوٹل کا بالکل پہلا تجربہ تھا۔ کھانے کی ہر چیز نہایت گراں بھی تھی اور ہمارے مذاق کے بالکل خلاف بھی۔ صرف چائے گزارے کے قابل ایک چیز معلوم ہوئی۔ مگر اس میں بھی دودھ یا تو ڈبوں کا ملایا جاتا ہے یا بے دُودھ کے پی جاتی ہے۔

مدینۃ الحجاج میں ایک واقعہ قومی اور اسلامی دونوں نقطہائے نظر سے میرے لیے وجہ شرمندگی ہوا۔ میں مسجد سے عصر کی نماز پڑھ کر لوٹ رہا تھا کہ چند نئی بنی ٹھنی بے پردہ لڑکیاں مدینۃ الحجاج کے بازار میں سیر کرتی نظر پڑیں۔ میں نے ان کے لباس اور انداز سے قیاس کیا کہ ہو نہ ہو یہ آفت کراچی یا لاہور سے نازل ہوئی ہے۔ حجاز کے کسی شہر میں عورتوں کا اس طرح بن سنور کر بے حجابانہ نکلنا تصور سے ایک مافوق شے ہے۔ عورتیں احرام کی حالت میں چہرے ضرور کھلے رکھتی ہیں بلکہ مصر، شام وغیرہ کی عورتیں بے پردہ بھی پھرتی ہیں لیکن ان کے طریقے اور ہوتے ہیں۔ ان لڑکیوں کے انداز میں اتنی بے باکی تھی کہ انھوں نے فوراً ہی لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ عربوں کی ایک ٹولی ایک قہوہ خانے کے سامنے بیٹھی ہوئی قہوہ پی رہی تھی۔ پہلے تو یہ لوگ ان کو دیکھ کر ایک طنز آمیز ہنسی ہنسے پھر انھوں نے ان سے پوچھنا شروع کیا کہ تم کہاں سے آئی ہو؟ سوال عربی میں تھا۔ اس وجہ سے لڑکیاں جواب دینے کے بجائے کچھ حیرت زدہ سی ہو گئیں۔ پھر ایک شخص نے ٹوٹی پھوٹی اردو میں پوچھا کہ "تم کس ملک سے آئی ہو؟" ایک لڑکی نے کھسیانی ہو کر جواب دیا کہ کراچی سے! یہ جواب اگرچہ میری توقع کے خلاف نہ تھا تاہم مجھے اس پر سخت غصہ بھی آیا اور سخت شرمندگی بھی ہوئی لیکن انا للہ پڑھنے کے سوا میں اور کیا کر سکتا تھا۔ میں اس کے بعد بڑی دیر تک یہ سوچتا رہا کہ آخر ان نیک بیبیوں نے حج کے سفر کی زحمت کیوں اٹھائی۔ اگر محض بے حجابی کی نمائش مقصود تھی تو اس کے لیے کلفٹن یا مال روڈ کافی تھے اور اگر ان پر قناعت ممکن نہ تھی تو پھر جدہ

سے کہیں آگے کے لیے رختِ سفر باندھنا تھا۔ میں نے دیکھا ہے کہ حجاز میں عورتیں سخت پردہ کرتی ہیں اور سنا ہے کہ حج کے زمانہ میں ان کو اس پردہ کے مزید اہتمام کی حکومت کی طرف سے تاکید کی جاتی ہے۔ اگر یہ بات سچ ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ حجاز کی عورتیں اسلامی روایات کے ساتھ ساتھ قومی غیرت کے نقطۂ نظر سے بھی پردہ کو اہمیت دیتی ہیں لیکن ہم پر افسوس ہے کہ نہ ہمارے اندر اسلامی حمیت ہی ہے اور نہ قومی غیرت ہی ہے۔

مولانا حمید الدین فراہی رحمۃ اللہ علیہ کی مندرجہ ذیل کتابیں ہمارے ہاں سے طلب فرمائیں

مفردات القرآن (قرآن کے مشکل الفاظ کی تحقیق) (عربی) ایک روپیہ ۲۵ پیسے
اسباق النحو حصہ اوّل (عربی گرامر جدید طریق پر) (اردو) ایک روپیہ
اسباق النحو حصہ دوم 〃 (〃) ۷۵ پیسے
تحفۃ الاعراب (منظوم) 〃 (〃) ۲۵ پیسے
امثال آصف الحکیم (عربی ادب سیکھنے کی ابتدائی کتاب) (عربی) ایک روپیہ ۲۵ پیسے

اردو تراجم

مقدمہ تفسیر نظام القرآن .... ۷۵ پیسے
اقسام القرآن .... ایک روپیہ ۱۳ پیسے
ذبیح کون ہے؟ .... ایک روپیہ پچاس پیسے

نوٹ: کتابیں بذریعہ وی پی طلب کریں یا ان کی قیمت مع محصول ڈاک پیشگی بھیج کر طلب فرما دیں (محصول ڈاک ۶۰ پیسے)۔

ملنے کا پتہ

مکتبۂ میثاق رحمان پورہ اچھرہ، لاہور

مُراسلہ و مُذاکرہ

امین احسن اصلاحی

خانہ ساز جھوٹ

سوال: دسمبر کا رسالہ ..... آپ کی نظر سے گذرا ہوگا۔ اس میں ...... صاحب نے ارض القرآن کے سفر کے سلسلہ میں یہ انکشاف فرمایا ہے کہ آپ نے اور حکیم عبدالرحیم اشرف صاحب نے سفر حج کے دوران میں مکہ معظمہ کے کسی اخبار کے نمائندہ کے سامنے مولنا ...... سے متعلق اس الزام کی تائید کی کہ وہ حدیث اور فقہ کے منکر ہیں۔ اگرچہ مضمون میں آپ لوگوں کا نام نہیں لیا گیا ہے لیکن لکھا اس طرح گیا ہے کہ پڑھنے والے کا ذہن بے تکلف آپ ہی لوگوں کی طرف منتقل ہوتا ہے۔ میں نے تو اس کو ایک بالکل بے بنیاد بات سمجھا اس لیے کہ میں آپ کے مزاج سے واقف ہوں۔ لیکن دوسرے بہت سے لوگوں کو اس سے آپ کے بارے میں سخت غلط فہمی ہو سکتی ہے اس وجہ سے ضروری ہے کہ آپ میثاق میں اس کی وضاحت فرما دیں۔

جواب: مذکورہ مضمون میری نظر سے گذرا تھا لیکن میں نے اس کو کوئی اہمیت نہیں دی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جس ٹکسال میں یہ جھوٹ گھڑا گیا ہے اس میں میری نسبت آئے دن اس طرح کے جھوٹ گھڑے جاتے ہیں اور ان کو گھڑنے اور چھاپنے کے لیے تنخواہ پانے والے ملازموں کی ایک پوری ٹیم موجود ہے۔ میں تنہا ان لوگوں کا ایسے فن میں کس طرح مقابلہ کر سکتا ہوں جس کی انھوں نے برسوں تربیت حاصل کی ہے۔

اس اتہام کا تعلق جہاں تک حکیم عبدالرحیم اشرف صاحب سے ہے وہ اپنے متعلق بہتر طریقہ پر خود ہی کچھ کہہ سکتے ہیں۔ البتہ میں اپنی نسبت یہ عرض کرتا ہوں کہ میرے پورے سفر کے دوران میں میری ملاقات کسی اخبار کے ایڈیٹر یا نمائندے سے نہیں ہوئی۔ صرف جدہ ریڈیو کا ایک نمائندہ

مجھ سے ملا تھا لیکن اس نے بھی مجھ سے اس قسم کا کوئی نامعقول سوال نہیں کیا جس قسم کے سوال کا مضمون میں حوالہ دیا گیا ہے۔ اس کے سوالات یا تو سعودی حکومت کے متعلق میرے تاثرات سے متعلق تھے یا جماعت اسلامی سے میری علیحدگی سے متعلق۔ اور اس بیچارے کو بھی میں نے کوئی جواب نہیں دیا بلکہ صرف یہ کہہ کر ٹال دیا کہ سفر کی اس رواروی میں میرے لیے ان سوالوں کا جواب دینا ممکن نہیں ہے، بعد میں ان کے جواب نوٹ کر کے میں بھیج دوں گا۔ افسوس ہے کہ یہ وعدہ بھی میں نے پورا نہیں کیا۔

اس سفر کے دوران میں میری جن لوگوں سے ملاقاتیں ہوئیں اور جس قسم کے سوالات مجھ سے کیے گئے میں نے ان سب کا ذکر اپنے سفرنامہ میں کر دیا ہے۔ اگر کسی اخبار کے نمائندے نے مجھ سے ملاقات کی ہوتی تو میں اس کا ذکر بھی ضرور کرتا۔ میں نہ تو باتوں کو چھپانے کا عادی ہوں اور نہ لیڈر لوگوں کی طرح ایچ پیچ کی باتیں کرنے کے فن سے واقف ہوں۔ مجھے کسی کے متعلق کوئی بات کہنی ہوتی ہے تو علی رؤس الاشہاد ڈنکے کی چوٹ کہتا ہوں۔ مجھے یہ بات سخت ناپسند ہے کہ میں کسی شخص پر اس کے پیچھے سے بزدلانہ حملہ کروں اور میں اتنا غبی بھی نہیں ہوں کہ کسی شخص پر ایسی تہمت لگا دوں جو ہر سننے والے کو بالکل احمقانہ معلوم ہو۔

بعض لوگوں کو اپنی مظلومیت کے ڈھونگ رچانے کے بڑے ڈھنگ آتے ہیں۔ میں پورے اعتماد کے ساتھ کہتا ہوں کہ محض مجھے بدنام کرنے کے لیے یہ جھوٹ نہیں گھڑا گیا ہے تاکہ سادہ لوح سننے والے اس کو سن کر کہیں کہ دیکھو فلاں بیچارہ کس قدر مظلوم ہے کہ لوگ حج کے لیے جاتے ہیں تو وہاں بھی اس کے متعلق بے بنیاد قسم کی باتیں پھیلاتے رہتے ہیں۔ ورنہ آخر اس بات کا کیا تک ہے کہ فلاں شخص حدیث اور فقہ کا منکر ہے۔ میں اگر کہنا ہی چاہتا تو کیا کہنے کے لیے سچی باتیں کم تھیں؟

دوسرے ملکوں کے اخبارات کے متعلق یہ بات بھی واضح رہنی چاہیے کہ وہ اپنے ملک سے باہر کے افراد و اشخاص کو اتنی اہمیت نہیں دیتے کہ ان کو ان کے حدیث و فقہ سے متعلق نظریات سے کوئی دلچسپی ہو۔ مجھے اس سفر میں جماعت اسلامی سے دلچسپی رکھنے والے صرف وہی لوگ معلوم ہوئے جو اخوان سے کسی نہ کسی نوع سے وابستہ تھے۔ انھوں نے مجھ سے جو سوال مشترک طور پر کیا وہ صرف یہی تھا کہ میں جماعت سے کیوں الگ ہو گیا۔ ظاہر ہے کہ میں نہایت ہی احمق آدمی ہوتا اگر ان کو اس

سوال کا یہ جواب دیتا کہ اس لیے کہ فلاں صاحب حدیث اور فقہ کے منکر ہیں۔

جن لوگوں نے یہ جھوٹ گھڑا اور اس کو پھیلایا ہے وہ بیچارے محض پیٹ کی خاطر یہ دھندا اختیار کرنے پر مجبور ہوئے ہیں کہ دوسرے کی دنیا بنانے کے لیے خود اپنی عاقبت خراب کریں۔ ایسے بدقسمت لوگوں کے بارے میں میں اس کے سوا کیا کہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کے حال پر رحم فرمائے۔

قتلِ انبیاء

سوال:- یہ بات کافی عرصہ سے میرے لیے باعث پریشانی بنی ہوئی ہے کہ قرآن کریم کی بعض آیات میں انبیاء علیہم السلام کے قتل کیے جانے کا ذکر ہے اور بعض صحابہ کرام مفسرین کی تصریحات سے بھی پتہ چلتا ہے کہ واقعی انبیاء علیہم السلام قتل کیے گئے اور آپ نے بھی میثاق میں بعض انبیاء کے قتل کا ذکر کیا ہے اور قرآن کریم کی بعض دوسری آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسولوں اور مومنوں کی مدد و نصرت کی پوری ذمہ داری لی ہے اور اعانت کا وعدہ کیا ہے جیسا کہ سورہ المومن میں ذکر ہے۔ انا لننصر رسلنا والذین امنوا فی الحیوۃ الدنیا ویوم یقوم الاشہاد ۲۳؍۵۱۔ اور غلبہ اور نجات بھی انھیں کے ساتھ مختص کی ہے۔ جیسا کہ سورہ مجادلہ و یونس میں ذکر ہے۔

کتب اللہ لاغلبن انا ورسلی ان اللہ قوی عزیز ۲۱؍۵۸

ثم ننجی رسلنا والذین امنوا کذالک حقا علینا ننج المومنین ۱۰؍۱۰۳ اس قسم کی آیات بعض دوسرے مقامات پر بھی آئی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے بڑی تاکید کے ساتھ ذکر کردہ وعدوں اور ذمہ داری کے ہوتے ہوئے انبیاء علیہم السلام کا قتل کیسے ممکن تسلیم کیا جا سکتا ہے۔

ہمارے زمانہ کے بعض علماء انبیاء علیہم السلام کے قتل کو تسلیم بھی نہیں کرتے ہیں میں نے خود ان سے یہ ان کا انکار سنا ہے کیا یہ ان کا انکار صحیح ہے؟

جواب:- جہاں تک حضرات انبیاء علیہم السلام کے قتل ہونے کا تعلق ہے اس کا انکار تو بداہت کا انکار ہوگا۔ تاریخ میں بھی اس کی شہادت موجود ہے اور قرآن مجید میں بھی نہایت ہی واضح الفاظ میں

یہود کے متعلق یہ بات فرمائی گئی ہے کہ وہ انبیاء کو قتل کرتے رہے ہیں مثلاً:—

ذَالِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيَاتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ (بقرہ ۶۱)	یہ اس سبب سے کہ وہ انکار کرتے رہے اللہ کی آیات کا اور قتل کرتے رہے ہیں نبیوں کو ناحق
ذَالِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيَاتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ الْاَنْبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ (آل عمران)	یہ اس وجہ سے کہ وہ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے رہے ہیں اور نبیوں کو ناحق قتل کرتے رہے ہیں۔

اسی طرح سورہ مائدہ میں ہے

فَرِيْقًا كَذَّبُوْا وَفَرِيْقًا يَّقْتُلُوْنَ (۷۰۔ مائدہ)	ایک گروہ کو انھوں نے جھٹلا دیا اور ایک گروہ کو قتل کرتے رہے۔

قرآن مجید کے ان واضح بیانات کے بعد کسی شخص کا سرے سے اس واقعہ ہی سے انکار کرنا میرے نزدیک ایک بالکل بدیہی حقیقت کے انکار کے ہم معنی ہے۔ رہا یہ سوال کہ جب قرآن مجید میں انبیاء علیہم السلام کے لیے غلبہ اور نصرت کا وعدہ ہے تو ان کا قتل کس طرح ممکن ہوا تو اول تو قتل ہونا غلبہ اور نصرت کے وعدے کے منافی نہیں ہے اس لیے کہ جو امت اپنے نبی کو قتل کر دیتی ہے وہ اپنے اس جرم کے سبب سے ملعون و مغضوب ہو جاتی ہے اور ظاہر ہے کہ یہ بھی درحقیقت نبی کی نصرت اور اس کے غلبہ ہی کی ایک صورت ہے۔ چنانچہ یہود اپنے اس جرم کی بنا پر ملعون و مغضوب ہوئے۔ قرآن مجید میں ہے۔

ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ذَالِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيَاتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ الْاَنْبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ (۱۱۲۔ آل عمران)	اور وہ جہاں کہیں بھی ہوئے ان پر ذلت تھوپ دی گئی مگر یا تو اللہ کے واسطہ سے یا لوگوں کے کسی معاہدہ کے تحت اور وہ اللہ کا غضب لے کر لوٹے اور ان کے اوپر پست ہمتی تھوپ دی گئی۔ یہ اس وجہ سے کہ وہ اللہ کی آیتوں کا انکار اور نبیوں کا ناحق قتل کرتے تھے۔

ثانیاً اس غلبہ و نصرت کا قرآن مجید میں جہاں جہاں ذکر آیا ہے تلاش کیجیے گا تو آپ کو معلوم ہوگا ان تمام مقامات میں قرآن نے انبیاء کے بجائے رسل یا رسول کا لفظ استعمال کیا ہے۔ رسول اور نبی میں تھوڑا سا فرق ہے۔ اس فرق پر یہاں تفصیل کے ساتھ بحث کی گنجائش تو نہیں ہے،

البتہ اتنی بات یاد رکھیے کہ ہر رسول نبی تو ہوتا ہے لیکن ہر نبی لازماً رسول نہیں ہوتا۔ انبیاء میں سے رسول کا درجہ صرف ان کو حاصل ہوتا ہے جو اپنی قوم کی طرف اس کے لیے عدالت اور دینونت بنا کر بھیجے جاتے ہیں۔ یعنی ان کی بعثت کے بعد لازماً اس قوم پر خدا کی طرف سے حجت تمام کر دی جاتی ہے اور اس کے اہل حق اور اہل باطل میں امتیاز کر دیا جاتا ہے جو اہل حق ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو اپنی مدد و نصرت سے نوازتا ہے اور جو اہل باطل ہوتے ہیں یا تو ان کو اپنی طرف سے کوئی عذاب بھیج کر تباہ کر دیتا ہے یا وہ اہل حق سے ٹکرا کر اور ان سے شکستیں کھا کھا کر پامال ہو جاتے ہیں۔ اس بارے میں جو سنۃ اللہ ہے وہ تفصیل کے ساتھ قرآن مجید میں بیان ہوئی ہے اور آپ نے جن آیات کا حوالہ دیا ہے وہ اسی سیاق و سباق سے تعلق رکھنے والی ہیں اور اس امر میں مجھے آپ کی رائے سے اتفاق ہے کہ جہاں تک رسل کا تعلق ہے ان کے لیے اپنے مخالفوں پر غلبہ لازمی ہے۔ خواہ یہ غلبہ ان کی زندگیوں ہی میں ظاہر ہو جائے یا ان کے جانشینوں کے دور میں ظاہر ہو۔ ان رسولوں میں سے کسی کا قتل ہونا بھی معلوم نہیں ہے۔ قرآن اور صحیفوں سے جن کا قتل ہونا معلوم ہے وہ زمرۂ انبیاء سے تعلق رکھنے والے تھے۔ مثلاً زکریاؑ اور یحییٰ علیہ السلام۔ یہود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کی کوشش ضرور کی لیکن اس کوشش میں وہ کامیاب نہیں ہوئے۔

خواتین کا اپنی نوعیت کا واحد

ماہنامہ عفت لاہور

(فروری ۱۹۶۱ء)

خاص نمبر

پیش کر رہا ہے۔ ۱۵۲ صفحات پر مشتمل یہ خاص نمبر سالانہ خریداروں کو ان کے چندہ ہی میں ملے گا۔ آج ہی نہ صرف یہ خاص نمبر، بلکہ پورے سال ماہنامہ عفت حاصل کیجیے۔

دفتر ماہنامہ عفت ادارہ خواتین اچھرہ لاہور

تعارف و تنقید

• ماہنامہ ادیب علیگڑھ (شبلی نمبر) سالانہ چندہ چھ روپے

ماہنامہ ادیب جامعۂ اردو علی گڑھ کا ترجمان اور ہندوستان کے ممتاز ادبی رسائل میں سے ہے۔ زیر نظر نمبر رسالہ کا شبلی نمبر ہے جس میں ملک کے ممتاز اصحاب قلم کے مضامین، مولانا شبلیؒ کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں پر جمع کیے گئے ہیں۔ اس میں بعض مضامین مولانا رحؒ سے براہ راست واقفیت رکھنے والوں کے درج ہوئے ہیں جو نہایت اچھے ہیں۔ مخدوم محترم مولانا عبدالماجد مدظلہ کا مضمون "خوشبو لفظ" کے عنوان سے درج ہوا ہے گو مختصر ہے اور نہایت غلط چھپا ہے لیکن پڑھنے کے قابل ہے۔

مرتب کرنے والوں نے تو یہ مجموعہ بلاشبہ اسی مقصد سے مرتب کیا ہوگا کہ نئی نسل کے سامنے مولانا شبلیؒ کے علمی و ادبی کارنامے نمایاں ہو کر آئیں تاکہ لوگوں کے اندر ان کے طرز پر علم و ادب اور مذہب و قوم کی خدمت کا حوصلہ پیدا ہو لیکن شاید غیر ارادی طور پر اس میں بعض ایسی چیزیں بھی داخل ہوگئی ہیں جو نہ تو حقیقت پر مبنی ہیں اور نہ ان کی اشاعت کسی پہلو سے مفید ہے۔ ہم اسی قسم کی بعض چیزوں کی طرف رسالہ کے فاضل مرتبین کو توجہ دلانا ضروری سمجھتے ہیں۔

پہلی چیز تو یہ ہے کہ مولانا کے چند خطوط کو بنیاد بنا کر جن لوگوں نے ان کے معاشقہ کی ایک پوری داستان تصنیف کر ڈالی ہے ان کے معاملہ کو اس میں زیادہ اہمیت دینے کی ضرورت نہیں تھی۔ بہت سی چیزیں ایسی ہوتی ہیں جن سے تعرض نہ کرنا ہی اچھا ہوتا ہے۔ مولانا شبلی، مولانا شبلی تھے، جنید و شبلی نہیں تھے اس وجہ سے ہم ان کو بشری کمزوریوں سے بالاتر نہیں سمجھتے لیکن یہ ان کے اوپر بہت بڑی زیادتی ہے کہ ان کے چند خطوط کے بین السطور سے ایک لایعنی داستان گھڑ ڈالی جائے اور اسی آب و رنگ سے کہ نہایت شد و مد سے بے خبر لوگوں کے اندر پھیلایا جائے۔ مولانا سیرۃ النعمان، الفاروق اور سیرۃ النبیؐ کے مصنف ہونے کے ساتھ ساتھ ادیب بھی تھے سحر گستری و تنظم کی شوخی ادیب کی ایک عام کمزوری ہوتی ہے۔ اخلاق کے اعلیٰ نمونہ تو

بلاشبہ یہی تھا کہ صواحبات یوسف میں سے اگر کسی نے ان پر اپنے دام پھینکے تھے تو وہ سنت یوسفیؑ پر عمل کرتے اور اس فتنہ سے دور بھاگتے لیکن اگر تلی موت میں مبتلا ہو کر انھوں نے خطوط کا جواب خطوط سے دے دیا تو بات کو اسی حد تک رکھنا چاہیے۔ اس کو گھس گھس کر جنسی بنانے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے۔ جو لوگ مولانا کے مخالف ہیں وہ اپنے عناد سے بہرحال باز آنے والے نہیں ہیں۔ پھر یہ کہاں کی دانائی ہے کہ ان کی اچھالی ہوئی گندگی کو دوسرے معقول لوگ بھی اپنی ریسرچ کا موضوع بنالیں۔ فتنہ کی بات جب کریدی جاتی ہے تو ایک فتنہ سے بہت سے فتنے پیدا ہو جاتے ہیں۔ اب دیکھیے یہی بات کہاں سے کہاں پہنچی۔ اب تک تو صرف غریب شبلی بدنام تھے۔ اب جو انکشافات کیے گئے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دام کے صیدوں میں اقبال، سر عبدالقادر، مولانا آزاد سب ہی گرفتار تھے۔ مزید کریدیے گا تو کچھ اور رخنے نکلیں گے۔ آخر ایک محترم کے اٹھائے ہوئے اس فتنہ میں کیا اپنے سارے ناقابل ذکر لوگوں کو لپیٹ دینے کا ارادہ ہے؟ اس قسم کی باتوں کو پھیلاتے ہوئے یہ حقیقت نظر انداز نہیں کرنی چاہیے کہ اس سے موجودہ اور آئندہ نسلیں بڑے بڑے نتائج اخذ کریں گی۔ بڑوں کی اچھائیاں لوگوں کے اندر مشکل سے پھیلتی ہیں لیکن اگر کوئی برائی ان کی طرف منسوب ہو جائے تو وہ وقت کا فیشن بن جاتی ہے۔

مولانا حالیؒ اور مولانا شبلیؒ کی چشمک کی داستان بھی ایک بالکل فرضی داستان ہے جو سنے سنائے نعروں کی مدد سے گھڑی گئی ہے۔ ان دونوں بزرگوں کے اندر نہایت گہرے روابط الفت و اخلاص تھے۔ دونوں ہی حضرات حد درجہ ایک دوسرے کی قدر و عزت کرتے تھے۔ کسی امر خاص میں نقطہائے نظر کا اختلاف ہو جانا باہمی الفت و اخلاص کے منافی نہیں ہوا کرتا۔ جہاں لگاؤ کے ہزار پہلو سامنے موجود ہوں وہاں صرف اس ایک امر پر نگاہ جما دینا جس سے لاگ کا ثبوت فراہم ہو، ان بزرگوں کی تنگ دلی کا نہیں بلکہ خود ہماری تنگ دلی کا ثبوت ہے۔

مولانا شبلیؒ کی مزاجی خصوصیات پر جن حضرات نے خامہ فرسائیاں فرمائی ہیں ان کے مضامین تو اس نمبر میں بالکل جگہ پانے کے قابل نہیں تھے۔ ان مضمون نگاروں نے بتکلف مولانا کی کمزوریاں ڈھونڈنے کی کوشش کی ہے اور اسی کوشش میں یا تو شدید قسم کی غلط بیانی سے کام لیا ہے یا ان کی خوبیوں کو بھی عیب کے رنگ میں بیان کیا ہے اور مقصود ان حضرات کا صرف سر سید کے بالمقابل مولانا کو گرانا معلوم ہوتا ہے۔ سر سید کے ساتھ مولانا کا اختلاف سیاسی تھا اور اس کی بنیاد نیک نیتی پر تھی۔ اس کے لیے مولانا کے اندر [illegible]

ٹوہ لگانا سخت بدباطنی کی دلیل ہے۔ سیاسی مسائل کا تعلق زیادہ تر وقت کے حالات سے ہوا کرتا ہے اگر سرسید اور مولانا شبلی دونوں آج کے حالات کے اندر ہوتے تو کون کہہ سکتا ہے کہ دونوں کے سیاسی اور اجتماعی نظریات کیا ہوتے۔ پھر اس سے کیا فائدہ کہ جس اختلاف کی بنیاد وقت کے حالات اور اس کے تقاضوں پر تھی، ہم اس کے لیے مستقل بنیادیں پیدا کرنے کی کوشش کریں اور اس کوشش میں ایک نہایت بلند طبیعت انسان کو پست طبیعت ظاہر کرنے کا تکلف کریں۔ ہمارے نزدیک سرسید اور مولانا شبلی دونوں ہی اس چیز سے بلند تھے کہ وہ اپنے مذہبی اور قومی کام ذلیل محرکات کے تحت کریں۔ البتہ ہم یہ ضرور کہیں گے کہ یہ مضامین جن میں مولانا شبلیؒ کو گرانے کی کوشش کی گئی ہے نہایت ذلیل مقصد سے لکھے گئے ہیں۔

مولانا شبلیؒ کے حالات وخیالات معلوم کرنے کے لیے اب سب سے زیادہ مستند و معتمد ذریعہ مولانا سید سلیمان ندوی مرحوم کی سیرت شبلی ہے۔ سید صاحب نے بڑی تفصیل کے ساتھ سارے حالات لکھ دیے ہیں اور ان سے زیادہ کوئی دوسرا شخص مولانا کے حالات وخیالات اور ان کی طبیعت اور مزاج سے واقف نہیں ہو سکتا اس وجہ سے مولانا کی زندگی سے متعلق بے ضرورت قیاس آرائیاں کرنے کے بجائے اس کتاب کے بیانات پر اعتماد کرنا چاہیے۔ سید صاحب مرحوم نے یہ کتاب اپنی زندگی کے اس دور میں لکھی ہے جب وہ عقائد و نظریات میں تصوف اور احتیاط زبان وقلم میں تقشف کے مقام پر پہنچ گئے تھے۔ اس وجہ سے اس شبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ انھوں نے اپنے استاذ کی کسی معاملہ میں بیجا پاسداری کی ہوگی۔

• المنبر (آزادی نمبر)

زیر ادارت ، مولانا عبدالرحیم اشرف
ملنے کا پتہ ، دفتر ہفت روزہ المنبر، لائل پور

'آزادی نمبر' کا نام آتے ہی ذہن میں ایک ایسے رسالے کا نقشہ گھوم جاتا ہے جو اول تا آخر قوم کے گذشتہ برس کے مادی و اخلاقی کارناموں کی روداد پر مشتمل ہو جس میں یہ بتایا گیا ہو کہ ہمارے ملک کی افواج نے مزید کتنی قوت فراہم کی، صنعت نے ترقی کے کتنے قدم اٹھائے۔ زراعت و تجارت نے میدان معیشت میں کتنی منزلیں طے کیں۔ ہماری ثقافتی انجمنوں نے سال کے دوران میں قوم کے نوجوانوں کے لیے تفریح کے مواقع پیدا کرنے کے کتنے سامان کیے۔ بلبل اکیڈمی اور آرٹس کونسل نے رقص کی کتنی نئی قسمیں اور راگ کی کتنی نئی دھنیں

ایجاد کیں۔ گرل گائیڈز نے بیرونی ممالک میں اپنی تنظیم کی کتنی دھاک بٹھائی وغیرہ۔ ایک آزادی نمبر سے اب اسی قسم کی معلومات حاصل ہونے کی توقع ہونے لگی ہے۔ لیکن المنبر کا آزادی نمبر اس سے بالکل مختلف ہے۔ اس کا ایک ایک صفحہ زندگی بخش فکر بخشتا اور دل میں دینی غیرت اور ایمانی حرارت پیدا کرتا ہے۔

اس نمبر کے پہلے پانچ مضامین آزادی ہند کی تاریخ پر مشتمل ہیں۔ ان میں ایک طرف سید احمد بریلویؒ کے جہاد، ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی اور اس کے بعد سربکف مجاہدین کے ابتلاء کے واقعات ہیں تو دوسری طرف مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کی انگریزی حکومت کی کاسہ لیسی کا بیان ہے۔ آخری بارہ مضامین میں تقسیم ہند کی خونچکاں داستان بیان کی گئی ہے۔ اس حصہ میں لکھنے والوں نے وہ چشم دید حالات لکھے ہیں جن میں بیشتر میں مسلمان گھر گئے تھے۔ سکھوں کے مظالم کو پڑھ کر جسم کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں لیکن یہ معلوم کر کے خوشی ہوتی ہے کہ مسلمانوں نے بھی ایک غیرت مند قوم ہونے کا ثبوت دیا اور بعض اوقات گنتی کے چند مسلمانوں نے خدا پر توکل کر کے سکھوں کے بڑے بڑے جتھوں کا مقابلہ کیا اور انھیں شکست دی۔

فاضل مدیر مبارک باد کے مستحق ہیں کہ انھوں نے ایک ایسی تذکیر کر دی ہے جس کی ہماری خوابیدہ قوم کو واقعی ضرورت تھی۔ اس نمبر کا یہ پہلو تشنہ نظر آتا ہے کہ اس میں آزادی کے بعد کے دور پر کچھ روشنی نہیں ڈالی گئی۔ اگر چند مضامین اس موضوع پر بھی شامل اشاعت ہوتے تو قوم کے لیے ماضی اور حال کے حالات کے آئینہ کا کام دیتے۔ (خ۔م)

اعلان

رسالہ سے متعلق اپنی شکایات۔ اطلاعات اور دیگر خطوط ہمیشہ مینیجر ماہنامہ میثاق کو ارسال فرمائیں اور مضامین کے بارے میں اپنے مراسلات ایڈیٹر کو بھیجیں۔ خط و کتابت کرتے وقت پتہ مکمل اور صاف لکھیں۔

مینیجر ماہنامہ میثاق
لاہور

اطلاع

آپ ہر قسم کی دینی اور علمی کتب مکتبہ میثاق سے طلب فرما سکتے ہیں۔ اگر مطلوبہ کتب کی قیمت چار روپے سے کم ہے تو نو آنے محصول ڈاک منی آرڈر ارسال فرمائیں (وی پی کے ذریعہ طلب فرمانے پر کمی کی گنجائش ہے) عبادت کی کتابوں کے لیے پہلے سے خط لکھ کر دریافت فرمالیں

مینیجر مکتبہ میثاق لاہور

مکتبۂ میثاق کی پہلی پیشکش

مولانا امین احسن اصلاحی

کی

تفسیر

تدبرِ قرآن

تفسیر آیت بسم اللہ و سورہ فاتحہ

اس کتاب کو خود پڑھیے اور اپنے دوستوں کو
پڑھنے کیلیے دیجیے تاکہ قرآن مجید کے سمجھنے کا
ذوق پیدا ہو

تقطیع $\frac{20 \times 26}{8}$ صفحات ۳۶ ہدیہ ۷۵ پیسے علاوہ محصول ڈاک

محصول ڈاک ۱۴ پیسے

ملنے کا پتہ: مکتبۂ میثاق رحمان پورہ اچھرہ لاہور

محی الدین پرنٹر پبلشر نے اشرف پریس لاہور میں چھپوا کر دفتر میثاق ۱۱ احمد سٹریٹ، رحمان پورہ، اچھرہ لاہور سے شائع کیا۔